بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Naz Quadri
(Collections)

آفتاب اجمیر

مع

سفر نامہ۔ مکتوبات

عملیات و وظائف

تاریخ اجمیر شریف نقشہ جات

مع پورے حالات

حضرت

خواجہ غریب نوازؒ

مرتبہ

ملک احمد چشتی

ملنے کا پتہ: الدین خاں بکسیلر ڈیوڑھی بیگم۔ آگرہ

Www.MadaariMedia.Com

دم مدار بیڑا پار

MADAARI MEDIA

The Silsila e Aaliya Madaariya Social Platform

سلسلۂ مداریہ کے بزرگوں کی سیرت و سوانح

سلسلۂ عالیہ مداریہ سے متعلق کتابیں

سلسلۂ مداریہ کے علماء کے مضامین تحریرات

سلسلۂ مداریہ کے شعراء اکرام کے کلام

حاصل کرنے کے لئے اس ویب سائیٹ پر جایئے

www.MadaariMedia.com

@MadaariMedia

@MadaariMedia

@MadaariMedia

@MadaariMedia

Authority : Ghulam Farid Haidari Madaari

عرض حال

مدت سے میرا فکر تھا آوارہ افلاک — کر دے تو اسے چاند کے تاروں میں نظر بند

اسے خدا کی رحمت سمجھو یا خواجہ غریب نواز کی ادنیٰ کرامت کہ مجھ سا ہیچمدان انسان جسے صرف معمولی نوشت و خواند سے بہرہ حاصل ہو۔ عرس سے قبل دو ماہ حضرت سلطان الہند کے سوانح حیات قلمبند کرنیکا ارادہ اور اسے پایۂ تکمیل کو پہنچائے جبکہ ہیں دو ماہ کے عرصہ میں والدہ اور ہمشیرہ جلد جلد ہوتے ہیں ماموں بیمار ہو کر انتقال کر جاتا ہے میں خود کئی بار درد سر نزلہ اور زکام میں مبتلا ہوتا ہوں لیکن حضرت خواجہ غریب نواز کے عشق و محبت یہ حوادث میرے ارادہ پر کچھ اثر انداز نہیں ہوئے یہ اللہ کا کرم نہیں تو اور کیا کہ ان صبر آزما حالات میں بھی جہاں تک قلم نے یاوری کی ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں خواجہ غریب نواز کی سوانح عمری موسومہ آفتاب اجمیر دو جلدوں میں پایۂ اشاعت کو پہنچی عرس میں صرف بارہ دن باقی ہیں اس خیال سے کہ یہ عرس کے موقع پر زائرین اور عقیدتمندان خواجہ غریب نواز کے ہاتھوں میں پہنچ جائے نظر ثانی کے بغیر پریس میں بھیجی جا رہی ہے۔ ان حالات میں اغلاط و اسقام کے باقی رہ جانیکا امکان ہے لہذا قارئین کرام کی خدمت میں مودبانہ التماس ہے کہ جو اغلاط و اسقام انہیں اس کتاب میں نظر آئیں ان سے مجھے اطلاع دیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں انکا سدباب کر دیا جائے۔ اس ضمن میں حضرت مولانا نصیر احمد چشتی اور شیخ محمد حسین صاحب آزاد اجمیری کا شکریہ ادا کرنے سے باز نہیں رہ سکتا کیونکہ ان اصحاب نے مجھے اس سوانح کو لکھنے کی ترغیب دی اور امداد دی۔

نیاز کیش ملک بشیر احمد چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آفتابِ اجمیر پہلا حصہ

پہلا باب

حیاتِ انسانی کے نشیب و فراز

گوشت و خون کے یہ چلتے پھرتے پتلے جنہیں عرفِ عام میں انسان کہا جاتا ہے
مایۂ خمیری ایسی مٹی سے اٹھایا گیا ہے کہ ان کا دماغ خود ہی تکبر کی ہو سے بھرا
رہتا چنانچہ یہ کچھ تو اپنے تکبر و جہالت اور کچھ شیطان کی ترغیب بدراہی سے کفو خر کی
کو اپنی چند روزہ زندگی کا شعار بنا کر عہد الست کو گلدستہ طاق نسیاں بنا دیتے
ہیں راندہ درگاہ الٰہی ابلیس روزِ ازل سے اولاد آدم کو صراط مستقیم سے
ہٹا کر گمراہی کے گڑھوں میں پھینکنے کے لئے اُدھار کھائے بیٹھا ہے۔ انسان کی ذاتی
کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ان کے دلوں میں طرح طرح کے
وسوسے ڈالتا اور انہیں قسم قسم کے سبز باغ دکھاتا ہے تاکہ وہ انہیں خالق و
معبود حقیقی کے خلاف علی الاعلان سرکشی کرنے پر آمادہ کرے اور جب کبھی
انسان اس کی پُر فریب چالوں میں آکر جامۂ بشریت چاک کر دیتے ہیں اور
پیکرِ ظلم و ستم بن جاتے ہیں تو ہر فرعون را موسیٰ کے مصداق
خدائے بزرگ و برتر ان کی بد اعمالیوں کی اصلاح اور رشد و ہدایت

کے لئے کسی نبی صادق کو دنیائے انسانی میں بھیجد یا تھا تا کہ مخلوق پھر خالقِ اکبر کی اطاعت وعبادت کرنے لگے۔

جفا کی گرمئی بازار مظلومی کی رونق ہے
نظر آتی ہے ظالم کی تجارت حاکے میں

مگر جب کبھی نمرود و فرعون جیسے بدطینت لوگوں نے خدا کے ان سچے نبیوں کے واسطے روڑے اٹکائے اور ان کے لائے ہوئے احکام کو ٹھکرا دیا تو مجبوراً وہ رب غفور الرحیم ہونے کے ساتھ ہی جبار و قہار بھی ہے اس نافرمان مخلوق کو بغاوت و سرکشی کی یاداش میں کسی دردناک و عبرت ناک عذاب میں مبتلا کر کے دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے سپرد کر دیتا ہے اور قیامت تک زبانِ حال سے یہ کہتے ہیں کہ ؎

کتابِ دہر میں اک باب عبرت ہے میری ہستی
مجھے دیکھو میں بیٹھا ہوں مجسم داستاں ہو کر

پیغمبر مخلوقِ خدا کو شیطان کے ہتھکنڈوں سے چھڑانے اور ان کی جبین نیاز بارگاہ رب العزت میں جھکانے میں ہمیشہ کامیاب ہو جاتے ہیں دربار خالق اکبر میں بندوں کی جبین سائی کا یہ منظر اس روسیاہ ازلی شیطان کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ لیکن وہ خدا کے رسولوں کے آگے دم نہیں مار سکتا تھا چنانچہ جب کوئی پیغمبر وقت دنیا سے رخصت ہوتا تھا شیطان پھر اپنے اختیاروں پر چلانے کے نئے جدید تدابیر کرتا

آخر کار وہ اس بھولی بھالی و سیدھی مخلوق کو پھانسنے کیلئے فریب ہستی کے گونا گوں طلسمات کا ہمرنگ زمین دام بچھا دیتا جس کے سبب سے وہ ان عبادت گزاروں کا رشتۂ الفت خدا سے توڑ کر بتوں سے جوڑ دیتا تھا قصہ کوتاہ چشم فلک نے پستی کے ان کمینوں کو متعدد بار گرتے اور بگڑتے دیکھا ہے ؎

گر چشم جہاں بیں ہے تو نیز نگِ جہاں دیکھ
آفاق میں اللہ کی قدرت کے نشاں دیکھ

حق و باطل کی اس لامتناہی کشمکش میں پیغمبر آئے اور گزر گئے اب نبوت کا قرعہ حضرت عیسیٰ کے نام نکلا چنانچہ جب آپ دنیاں میں تشریف لائے اس وقت نسل انسانی کی اکثریت شیطان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنی ہوئی تھی لوگوں نے آپ کی فیض رسانی باتوں پر کان دھرے اور شدید مخالفت پر کمر باندھ لی. حضرت عیسیٰ کو اگرچہ تبلیغ و اشاعت دین الٰہی میں نمایاں کامیابی ہوئی. دشمنانِ خدا کی کمینہ و ذلیل حرکتوں سے تنگ آکر چرخ چہارم پر جا بیٹھے. ان کے جاتے ہی قوم کے دماغ میں آپ کے زریں اقوال و پاکیزہ اعمال کی یاد محو ہو گئی. امت عیسیٰ جسکو کشتی آدم کی ناخدائی کے بڑے بڑے دعوے تھے. انجیل بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی. الغرض نصاریٰ تین خداؤں کی پرستش کرنے لگے. ایرانیوں نے آگ کو خدا بنالیا عرب بتوں کی پوجا کرتے. اور دنیا میں خدائی کا کوئی نام لیوا نہ رہا. اب یہ زمین و آسمان سرور کائنات کا انتظار کرنے لگے. جن کے لئے ابراہیمؑ نے دستِ دعا دراز کئے تھے اور عیسیٰ بن مریم نے جن کی بشارت دی تھی

تھی وہ آفتاب دن بھر اس فخر انسانیت کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا
اور مہتاب ستاروں کو لئے رات بھر اُن کے استقبال کے لئے کھڑا رہتا
آخر ایک دن ایسا آیا کہ مکہ معظمہ میں ایک یتیم پیدا ہوئے باپ انہوں نے
آنکھ سے نہ دیکھا اور ماں کا سایہ بھی کچھ زیادہ دیر تک ان کے سر پر
قائم نہ رہا مگر تقدیر اس دُرِ یتیم پر ہنستی تھی کیوں کہ وہ محبوب رب العالمین
تھے کائنات کا وجود آپ ہی کی خاطر بنایا گیا۔ چاند اور سورج آپ ہی
کی عارض تاباں سے روشنی حاصل کرتے تھے الغرض آپ کا اسم مبارک
محمد مصطفےٰ تجویز کیا گیا۔ اور آپ کی تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل
امیں کو معمور فرمایا آپ کے اخلاقِ حسنہ کو لوگوں نے بہ نگاہِ حیرت دیکھا
آپ کی نورانی پیشانی لات و ہبل کے ناپاک قدموں میں نہیں بلکہ رب کعبہ
کی دہلیز پر سجدہ ریز ہوتی تھی حضور کا دل انسانی ہمدردی سے لبریز
تھا۔ گفتگو کے وقت آپ کے منہ سے پھول جھڑتے تھے جن کی خوشبو
آج بھی بخاری و مسلم کی حدیثوں سے باقی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے
تمام ظاہری و باطنی خوبیاں آپ کی ذات اقدس میں جمع کر دی
تھیں ۔

جب آپ حوادث زمانہ کا مقابلہ کرتے کرتے پختہ کار ہو گئے تو فاران
کی چوٹیوں سے آپ کی نبوت کا مہر منور چمکا آپ نے اپنی نبوت
کا اعلان کیا اس کی ضیا پاشیوں سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہونے
لگیں اور شیطان کے مریدوں میں کھل بلی مچ گئی اس نور خدا

کو بجھانے کے لئے باطل کی بڑی بڑی آندھیاں اٹھیں اور طوفان آئے مگر اس نور کی روشنی بڑھتی اور پھیلتی ہی چلی گئی شیطان نے لاکھ جتن کئے کبھی وہ صورت ابوجہل میں آیا اور کبھی لباسِ ابولہب میں نمودار ہوا حضور نے اسکی ہر ادا کو پہچان لیا ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

اور ہر محاذ پر ایسے زبردست شکست دی آپ نے انسانیت سوز مظالم کا تختہ مشق بنایا گیا۔ اس علمبردار اخوت مساوات کی جبیں استقلال پر بل تک نہ پڑا حتیٰ کہ کفر پر اسلام غالب آگیا اور عرب کے تمام قبیلوں نے بصدق دل توحید رسالت کا اقرار کر لیا اور خدائے واحد کے سچے پرستار بن گئے تب نبیوں کے سردار جن پر رسالت ختم ہوئی تھی اپنے پیچھے قرآن مجید کے تیس پاروں کی لازوال دولت اور اولو العزم صحابہؓ کی کثیر جماعت چھوڑ کر ظاہری دنیا سے تشریف لے گئے چونکہ نبوت اب ختم ہو چکی تھی اس لئے جلیل القدر صحابہؓ نے اپنی بے مثل ہمت و استقلال اور دقیق النظر دانائی و تدبیر سے خدا اور اس کے رسول مقبول کا پیغام بڑی سرعت سے دنیا کے گوشے گوشے میں پہونچا دیا۔ آں حضرت صلعم کے بعد ان عالی مرتبہ صحابہ کا زمانہ بہترین تھا۔ دین محمد کے بقا کے لئے اب ولایت کا ظہور ہوا چنانچہ صحابۂ کرام کے دامن میں بہت سے اولیا ابرار نے تربیت پائی اور علم و

حکمت کے ظاہری و باطنی پھل پچنے اور حیرت انگیز کرامات کے حربوں سے مسلح ہو کر کفر و ارتداد و جہالت کو گمراہی کے خلاف جہادِ اکبر کے لئے نکلے اور تبلیغ ہدایت سے اک زمانہ کو فیض پہونچایا اور ان کا حلقہ مریدی پھیلتے پھیلتے تمام دنیا پر پھیل گیا

دوسرا باب

امید کی کرن

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

چرخ نیلوفری پر جب کالی کالی بدلیاں چھا جاتی ہیں اور خورشیدِ جہاں تاب عروس نو کی طرح پیکر شرم و حیا بن کر اپنے نورانی جسم کو ابر میں چھپا لیتا ہے تو اس وقت تاریکی زمانہ پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اور بادل اپنی پوری قوت سے گرج گرج کر ساکنانِ زمین میں خوف و ہراس پیدا کرتا ہے تو اس ہوش رُبا نظارے کو دیکھ کر بوڑھے آسماں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے جو اہلِ دنیا۔ بارانِ رحمت بن کر برستی ہے جب فلک کا دامن اشکوں کے پانی سے پاک ہو جاتا ہے تو ابر کے ٹکڑے اس کی گریہ و زاری جل تھک ایک ہوتا دیکھ کر آگے نکل جاتے ہیں اور مطلع صاف ہو جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح جب دنیا کے انسان کے مطلع پر جہل و ظلمت کی تاریکیاں چھا جاتی ہیں جور و ستم کی بجلیاں کمزور نادار مخلوق کے نشیمن جان و مال پر گرتی ہیں اور باطل کا زبردست ہاتھ دینداروں کے متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالتا ہے تو اس وقت مظلوموں کی دستگیری کے لئے قدرت ایسے ذی روح کو باعث رحمت بنا کر بھیجی ہے جو ہمدردی کے آنسوؤں کے سیلاب میں پاپ کی ناؤ کو ڈبو دیتا ہے اس کی پُرتاثیر دعائیں خاک کو اکسیر بنا دیتی ہیں اس کی کار آمد نعمتوں سے لوگوں کے آئینۂ دل صیقل ہو جاتے ہیں اور خدا کے نیک بندے بن جاتے ہیں. خواجہ معین الدین چشتی کے ظہور کیلئے بھی قدرت نے بالکل ایسا ہی ماحول تیار کیا تھا یعنی چھٹی صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ اسلامیانِ عالم کیلئے نہایت پر آشوب زمانہ تھا نیز اسلام جس کی باطل سوز ضیا پاشیوں نے نہایت ہی سرعت سے اس جہاں کو جہل و ظلمت سے پاک کر دیا تھا. مجاہدین اسلام کے پُر جوش قافلے جو سروں پر کفن باندھے اور ہاتھ میں شمشیر جو ہزاروں سے عرب کے تپتے ہوئے ریگستان سے قسمت آزمائی کے لئے نکلے تھے وہ جدھر رُخ کرتے تھے عرب کے تپتے ہوئے ریگستان سے قسمت آزمائی کے لئے نکلے تھے وہ جدھر رُخ کرتے تھے فتح و نصرت اُن کے قدم چومنے کو آتی حکومت کا کھلونا جی بہلانے کو حاضر ہو جاتا اور دولت دُنیا بصد ناز و انداز ادا داندازا اپنی تمام دلفریب کششوں کے ساتھ ان سادہ لوح

انسان کو مسحور کرنے کے لئے چلی آتی ہے

آئی ہے بے حیا میرا ایمان خریدنے
دنیا کھڑی ہے دولت ایمان لئے ہوئے

ابتدا میں (خلفائے راشدین کے عہد میں) تو فدایان اسلام نے اسکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور بغیر کسی طمع و لالچ کے انتظام سلطنت بحسن خوبی سر انجام دیا کہ مدبرین زمانہ دنگ رہ گیا اور انہیں باعث رحمت خیال کرنے لگے مگر یہ سامان ایسا نہ تھا کہ اثر انداز ہوئے بغیر رہ سکتا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد آخر وہ زمانہ آگیا کہ عرب کی قبائے سادگی پر عجم کی بوقلموں رنگینیاں حاشیہ آرائی کرنے لگیں اور آہستہ آہستہ یہ تکلفات اس قدر بڑھے کہ اہل عرب کا روایتی سادہ پن نام کو نہ رہا۔ دولت دنیا کا نشہ دن بدن بڑھتا گیا ان کی آنکھیں چار آلودہ ہو گئیں۔ وہ بہادر شیر جو عرب کے کچھاڑوں سے غراتے ہوئے نکلے تھے۔ اور جن کا نام سن کر بڑے بڑے طاقتور جابر سلاطین کانپ اٹھتے تھے۔ وہ اب کمریں کھول کر ذرا سستانے لگے تھے بدقسمتی نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور توحید کے بہادر بیٹے کچھ دیر کے لئے دنیا و مافیہا سے بے خبر خواب شیریں کے مزے لینے لگے یہ غفلت ان کی تباہی کا پیش خیمہ تھی۔ ابلیس جس کے دل میں آدم کی عداوت کا شرارہ روز ازل سے ہی کھٹک رہا ہے اس زریں موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی کمین گاہ سے نکلا حالات کا جائزہ لیا اور دیکھا کہ نیند کے متوالے اور غفلت کے

شیدائی کروٹ تک نہیں بدلتے اسے ایک خطرناک تجویز سوجھی۔ اس تجویز کا عملی جامہ پہنانے کے لئے نشۂ دولت و حکومت میں چور دہ مسلمانوں کے دلوں کے مہر و محبت سے خالی کر کے ان میں دشمنی و عداوت کے جذبات بھر دیئے اور عالمِ خواب میں انہیں امید کے ایسے ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ دل دے بیٹھے۔ جب یہاں تک کامیابی نظر آئی تو اب اس نے ان کے کانوں میں ایک سحر پھونکا کہ جس سے غلامانِ محمد بسترِ خواب سے اچھل اچھل کر کھڑے ہوئے اور تلواروں سونت سونت کر آپس میں ہی میں دست و گریباں ہو گئے۔

اللہ کی شان وہ تلواریں جو حریفانِ خدا کے سر وتن کے فیصلے کیا کرتی تھی۔ اب وہ خود غرض کے خیالات کے ماتحت بھائیوں کی گردنوں پر چلنے لگی۔ ان خانہ جنگیوں سے اسلام کی وسیع سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے یعنی خلافتِ اسلامی تین حصوں میں بٹ گئی اور ان حصوں کے بھی ٹکڑے ہو گئے جب یہ سب کچھ ہو چکا تو شیطان کے چیلے چانٹے قرامطہ و باطنیہ کی شکل میں ظاہر ہوئے اور مارِ آستین کی طرح جسمِ اسلامی کو ڈسنے لگے۔

غرض اس وقت اقصائے عالم میں جو روستم کی انتہا ہو چکی تھی اور قتل و غارتگری کا بازار گرم تھا۔ ستم زدوں کی آہیں عرشِ اعظم کا پایہ پکڑ کر فریاد کرنے لگیں اور مظلوموں کی نالہ و زاری نے دربارِ خالق اکبری میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔

یہ حال اپنے دوست کی امت کا دیکھکر
بل پڑ گیا خدا کی جبین جلال میں

رحمتِ خداوندی کو جوش آیا اور ماہ رجب المرجب ۵۳۶ھ کے نوزائیدہ ہلال نے اشاروں ہی اشاروں میں کچھ مژدۂ جانفزا سنایا۔

تیسرا باب

خواجہ معین الدین آغوشِ مادر میں

سجستان وسیستان اور صحرا کے ایران کی سرحدیں جہاں آپس میں ہمکنار ہو کر دو قالب و یک جان ہونیکا عملی نمونہ پیش کرتی ہیں اس مقام سے ہٹ کر مغرب کی جانب صحرا میں ایک پُر بہار نخلستان سیخ کے بارونق و معمور شہر کو اپنے آغوشِ محبت میں لئے ایک پُر بہار اونچے اونچے کھجور کے درخت اہل سیخ کو دھوپ کی تمازت سے بچانیکے لئے عجیب شانِ دلربائی سے خوش وضع چھتریاں تانے کھڑے تھے اکثر مقامات پر وہ بالا قد و نازک اندام درخت اپنے لمبے لمبے ہاتھ بڑھائے محبت آمیز مصافحہ کرنے میں مشغول تھے یا یوں کہا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا کہ وہ پیار و محبت سے ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالے وصل ہم جنس سے لطف اندوز ہو رہے تھے بعض سبز اور بعض زردی مائل

پتوں سے لدی ہوئی ان کی مہرآبدار ٹہنیوں میں سے نیلگوں فلک اور شفق سُرخ عجب سماں دکھاتے تھے اور اہل نظر کو یہ نظارہ نرگس کی آنکھ سے دیکھنے کی دعوت دیتے تھے موسمِ بہار میں جبکہ نوجوان چمن کی ڈالیاں خوشرنگ پھولوں کا زیور پہن لیتی ہیں اور بارآور درختوں کی شاخیں قسم قسم کی نعمتوں سے مالا مال ہو کر خدائے قدیر کے احساناتِ عظیم کے بوجھ سے سربسجود ہو جاتی ہیں تو اس وقت بلند قامت پیڑوں پر بھی سنہری سنہری سُرخ سُرخ یا سیاہی مائل کھجوروں کے خوشے اس انداز سے نظر آتے گویا کہ نازک ادا حسینانِ چمن کے کانوں میں آویزے سے لٹک رہے ہیں یا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارِوغۂ جنت نے ہزاروں چھوٹے چھوٹے گلاس بھر کر اور انہیں سربسبز کرکے اہل سیستان کے نوش جان فرمانے کے لئے بھیجے ہیں اس نخلستان سے باہر میلوں تک آبادی کا نام ونشان نہ تھا اور ریگ کے بے حرکت ذرے حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے جنہیں کبھی کبھی ہوائے تیز کے جھونکے سے ادھر اٹھا کر پھینک دینے کے عادی ہو چکے تھے ان تمام قدرتی خوبیوں کے ساتھ سیستان پر حجاز مقدس کے کسی شہر کا دھوکہ ہوتا تھا اس شہر کے بیچوں بیچ ایک سڑک گذرتی تھی جو صوبہ کرمان کو صوبہ سجستان (سیستان) سے ملا کرتی تھی گاہے گاہے اس شاہراہ پر آوازِ جرس سنائی دیا کرتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ سوداگروں کا کوئی قافلہ مالِ تجارت آرہا ہے یہ قافلہ مال تجارت لیکر آرہا ہے۔ یہ قافلہ اکثر آیا کرتے تھے

اور چند روز قیام میں خرید و فروخت کر کے آگے نکل جاتے تھے سینج
کے اسی شہر میں ایک روز رات کو جبکہ ماہِ رجب المرجب ۵۲۳ھ
کے تیرہ دن گذر چکے تھے اور نکھرے ہوئے نیلوفری آسمان پر چودھویں
رات کا چاند زر و پاشیاں کرتا ہوا اس شان سے نکلا کہ حسن و جمال
اس کے رُخ انور کی بلائیں لے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ وہ خدائے
نور کے سانچے میں ڈھل کر نکلا ہے۔ اگرچہ وہ گنبد کی مانند بالکل گول
اور بظاہر اس کے بناؤ سنگار پر کسی کی نظر نہ پڑتی تھی تاہم باریک
بیں نگاہ اس کے ایک ایک نقش کا مطالعہ کر رہی تھیں یعنی ذرا غور سے
دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا کہ کسی دلربا معشوق کا بناک چہرہ سیاہ
زلفوں کے حلقہ میں گھرا ہوا ہے مشاطۂ قدرت نے اس پر کہکشاں
کی مانگ نکالی اور بال بال میں ستاروں کے چمکدار موتی پرو دیے
ہیں ان کی نازک نازک انگلیاں (کرنیں) سینج کے ریگ زاروں
کے ذرّوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں مشغول تھے ان میں سے بعض بعض
ذرّے چمک دمک میں آفتاب کی ہمسری کرنے لگے۔ کیوں نہ ہو اس
زمین کو غریب نواز کا وطن ہونے کا فخر تھا سو وقت ایسا نظر آتا تھا کہ
کھجور کے دیو قامت درخت آسمان کی چھت کو سر پر اٹھائے کسی کے
استقبال کے لئے مستعد و تیار کھڑے ہیں اور فلک سے نور کی بارش
ہونے کی وجہ سے روئے زمین پر چاندنی کا سنہری فرش بچھا ہوا
تھا۔ جنت الفردوس کی خوشبو میں بسی ہوئی ہوا انشاط انگیز

نغمے گاتی ہوئی چل رہی تھی اب رات کا بیت ساعت گذر چکا تھا اور زاہدانِ شب بیدار کے علاوہ تمام مخلوقات گہری نیند کے مزے لے رہی تھی۔

اتنے میں شبنم بھاگی بھاگی آئی سبزہ زار کو وضو کرایا اور بہ نہایت رازداں سے غنچوں کو مژدہ فرحت سنایا وہ کم ظرف تھے ان کا پیمانہ دل جوش مسرت سے لبریز ہو گیا۔ اور خاموش لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی رنگا رنگ کے پھول کھل کر ہنس پڑے نسیم سحر خراماں خراماں آئی اور ہرے ہرے درختوں کی لچکدار ٹہنیوں پر بسیرا لینے والے طیور کو جھولا جھلانے لگی۔ عندلیب کی آنکھ جو کھلی تو غنچوں کو تبسم ریز پایا بلائیں لینے کے لئے وہ ان کے پاس جا بیٹھی ننھی کلیوں سے رہا نہ گیا جو کچھ شبنم کی زبانی سنا تھا ہمدرد سمجھ کر اس کے گوش گذار کر دیا۔ بلبل صاف گوئی میں تو مشہور ہے وہ بھی اس راز کو سن کر چپ نہ رہ سکی۔ چنانچہ اس خوش گلو خطیبِ گلستاں (بلبل) نے شاخ نخل گل کے سینہ پر کھڑے ہو کر اپنی سحر آفریں شیریں اور ترنم ریز آواز میں تمام ساکنانِ چمن کے سامنے اس خوشی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ؎

وقت آگیا کہ باغ میں بلبل ہو نغمہ سنج — اٹھ شاخ نخل کو مژدۂ فصل بہار دے
وقت آگیا کہ پھولوں سے لچائیں ٹہنیاں — اور ہر شجر لباس خزاں کا اتار دے
وقت آگیا کہ آنکھ بازارگانِ صبح — بیعانہ تفاوت لیل و نہار دے
وقت آگیا کہ ساقیٔ خمخانہ حجاز — بھر بھر کے پھر ایاغ مئے مشکبار دے

وقت آگیا کہ رات کٹے اور پو پھٹے تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے
وہ راز جو شبنم کے سینہ اور غنچہ کے دل میں چھپا ہوا تھا۔ جب اس
کا کچھ حصہ اشاروں اور کنایوں سے منظر عام پر آیا تو نوجوانِ چمن درختوں
نے تالیاں بجائیں اور پرندوں نے بڑی خوش الحانی سے مل
کر خوشی کے ترانے گائے چہچہوں کے اس شور و غل سے شاہ خاور
کی آنکھ کھل گئی پردۂ افق سے جھانک کر جو دیکھا تو کائنات کا حسن
عالم افروز کمال جو دیں پر پایا اسکی حیرت وعدہ نہ ہوئی تھی کہ
حضرت ماہ نور ام الورع کی گود میں ایک قدسی صفت نورانی بچہ پر
نگاہ پڑی جس کے نور سے یہ مقام بقعۂ نور بنا ہوا تھا ؎

کس طرح سے دامانِ شب تار ہوا چاک
کس دھنگ سے خورشید ہوا جلوہ فشاں دیکھ

اس حالت کو دیکھ کر آفتاب ادب و تعظیم سے دن بھر اس کا طواف
کرتا۔ ہا اور اسکی سنہری کرنیں جھک جھک کر آستاں بوساں کیلئے
آتی۔ ہیں۔

الغرض ۱۴ رجب المرجب ۵۳۶ھ بروز دوشنبہ حضرت ماہ نور
ام الورع کے بطن سے ایک عظیم المرتبت فرزند پیدا ہوا جس کا نام
نامی معین الدین حسن تجویز کیا گیا۔ اور ماہ و تاریخ امام مجتبےٰ نکلا
آپ کی والدہ حضرت ماہ نور ام الورع سے روایت ہے کہ جب میرے
معین الدین شکم میں آئے میرا گھر خیر و برکت سے معمور ہو گیا میرے

دشمن مجھ سے دوستی کرنے لگے مجھے سچے خواب نظر آنے لگے اور جس وقت آپ کے
تن میں جان آئی تو اس وقت سے یہ معمول ہو گیا تھا کہ نصف شب سے لیکر
صبح تک ایسی آواز معلوم ہوتی کہ آپ تہلیل میں مشغول ہیں اور جب
آپ دنیا میں تشریف لائے تو میرا گھر نور سے معمور ہو گیا۔

حضرت خواجہ بزرگوارؒ کے والد محترم سید[1] غیاث الدین حسن سادات
کے ایک خوش حال خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ اپنے وقت
کے مقتدر و ممتاز عالم تھے نیز تصوف میں بھی آپ کو کافی دستگاہ
تھی بڑھے ہوئے زہد و اتقا کے سبب مشائخ خراسان آپ کو وقعت
کی نگاہ سے دیکھتے تھے باوجودیکہ آپ نے طبیعت فقیرانہ پائی تھی
خدا نے دولت و ثروت کو آپ کے گھر کی ادنیٰ کنیز بنا کر رکھا تھا

---

[1] خواجہ غریب نواز کا سلسلہ نسب پدری یہ ہے خواجہ معین الدین
حسن سنجری بن سید غیاث الدین حسن بن سید حسین احمد سنجری بن
نجم الدین طاہر بن خواجہ عبدالعزیز بن سید ابراہیم (بعض تذکرہ نویسوں
نے سید ادریسؒ لکھا ہے) بن سید مہدیؒ بن امام حسن عسکری
بن امام نقی بن امام تقی بن امام موسیٰ رضا بن امام باقر بن
امام زین العابدین بن سید الشہدا امام حسین علیہ السلام

چوتھا باب

تاریخ اسلام کا ایک زرّین باب

غریب نوازؒ کی حیاتِ ظاہری کی پوری تصویر کھینچنے کے لئے بہت معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی خلافت کے مختصر حالات سپردِ قلم کئے جائیں تاکہ ان کی روشنی میں مسلمانوں کی سیاسی ملکی علمی مذہبی تمدنی اور معاشرتی زندگی کا نقشہ منظرِ عام پر آجائے جو خالی از دلچسپی نہیں اور ان کو پڑھنے کے بعد ناظرین بخوبی اندازہ لگا سکیں گے حضرت خواجہؒ نے کس قسم کی فضا میں پرورش پائی جب آپ عالمِ وجود میں آئے اس زمانہ میں بغداد کی عباسی خلافت کا اقتدار ایک حد تک ختم ہو چکا تھا۔

بہت آغاز دیکھے ہیں بہت انجام دیکھے ہیں کئی عبرت کی تصویریں کھنچی ہیں چشمِ حیراں میں

اور مسندِ خلافت پر خلیفہ مکتفی جیسا عقلمند شخص متمکن تھا۔ اس کے دل میں رہ رہ کر خلافت کی کھوئی عظمت حاصل کرنیکا خیال چٹکیاں لیتا تھا اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا اسے موقعہ نہ ملا۔ اور اس کے دل کی آواز دل میں ہی رہ گئی۔ کیونکہ اس زمانے میں ہر طرف چھوٹی چھوٹی سلطنتیں پھیلی ہوئی تھیں جو آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں اور ادھر یورپ کے عیسائیوں کی نظریں فلسطین پر لگی ہوئی تھیں

اس غرض سے عیسائی سرزمین ایلیا (فلسطین) پر حملہ آور ہوئے تھے اس پر ایک مصیبت یہ ہوئی کہ باطنی گروہ کے ہاتھوں کسی کو پناہ پانی مشکل تھی کیونکہ جو شخص ان کی مخالفت کرتا تھا وہ کسی نہ کسی طرح انھیں موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے. خلیفہ معتصم عباسی کی خاندانی روایات بڑی شاندار ہیں اس خلافت کے ظہور میں آنے کی داستان اس طرح ہے کہ جب سو برس تک بڑی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ سے حکومت کرنے کے بعد بنی امیہ کشتی حیات بحر فنا کی طوفانی موجوں میں گھر کر تباہ ہو گئی اور ان کے لہلہاتے ہوئے باغِ خلافت کو بادِ خزاں نے لوٹ کر ویران کر دیا تو اس وقت بنی عباس کا ستارۂ اقبال خورشید درخشاں بن کر چمکا ۔

شوخیِ بادِ ہوائی باعثِ تعمیرِ حباب   یعنی ہستی ہی میں رکھا ہے فنا ہو جانا

جسے دیکھ کر بڑے بڑے منجم تصویر حیرت بن گئے اور اہلِ عالم نے منہ میں انگلیاں ڈال لیں. چنانچہ میدان صاف کر کے قدرت نے بنی عباس کا ہاتھ پکڑ کر مسند خلافت پر بٹھا دیا. انہوں نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی پرانے کھنڈرات پر نئی خلافت کا ایک مستحکم و مضبوط قصر رفیع الشان تعمیر کیا کہ پورے سوا پانچ برس تک وہ زمانے کی گرم و سرد ہواؤں کا مقابلہ کرتا رہا. عراق کی فتح کے بعد سنہ ۱۳۲ھ میں ابو العباس نے کوفہ کی مسجد میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھوڑے دنوں بعد بنی امیہ کا آخری خلیفہ بھی گیا اور تیس برس کی لگاتار کوششوں سے عنانِ خلافت بنی عباس کے

بالآخر آئی ابو العباس نے تخت پر قدم رکھتے ہوئے بڑے بڑے مظالم توڑے خاندان بنی امیہ کے افراد کو چن چن کر تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن سرداروں کے دل اس بدقسمت خاندان کی قدر و منزلت ابھی باقی تھی وہ تلواریں کھینچ کھینچ کر میدان میں آگئے اور علم بغاوت بلند کر دیا۔ اسے حضرت علیؓ کے خاندان سے بھی بڑا خطرہ تھا اس لئے کوفہ کی بجائے انبار کو دارالسلطنت بنایا۔ اور چار سال کی حکومت کے بعد ہی راہی ملکِ عدم ہوا پھر اس کا بیٹا ابو جعفر مسندِ خلافت پر بیٹھا جو لوگ باپ کی نظروں سے بچ گئے تھے انہیں بیٹے کی تلوار نے کاٹ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ ابو مسلم کا خراسان میں بڑھا ہوا اقتدار بھی اسکی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکنے لگا۔ اگرچہ حضرت علیؓ کی نسل کے بزرگ اپنے دل میں حکومت پر قبضہ کرنیکی تمنائیں رکھتے تھے۔ تاہم منصور نے جاسوسوں کی غلط اطلاعات کی بنا پر اس خاندان کے سرکردہ حضرات پر روا سختیاں کیں جن سے تنگ آکر وہ مقابلہ پر اتر آئے۔ اور شہید ہوگئے چنانچہ منصور ادھر سے مطمئن ہوگیا منصور کے عہد کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ اندلس میں بنی امیہ کی خود مختار حکومت قائم ہوگئی۔

بغداد کو آباد کرنے کا سہرا بھی خلیفہ منصور کے سر پر ہے۔ بغداد اصل میں ایک پرانا شہر تھا۔ ایران کے مشہور بادشاہ نوشیروان نے وہاں خوشنما باغات اور محل بنوائے تھے۔ جہاں وہ سرما بسر کیا کرتا تھا۔ جب منصور نے اس کو اپنا دارالخلافت بنانے کا ارادہ کیا تو وہ ایک ویران

تھا۔ وہاں خاک کے سوا کچھ نہ تھا۔ منصور نے دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر ایک شہر کی داغ بیل ڈالی یہ شہر ایک گول دائرے کی صورت میں بنایا گیا جس کے گرد دوہری اور بعض جگہ تہری شہر پناہ تھی۔ جس میں آہنی پھاٹک والے چار دروازے تھے۔ جن کے بالترتیب باب الخراسان باب المغرب باب الکوفہ اور باب الشام ہیں۔ شہر میں بیچ میں عین وسط میں خلیفہ کا بڑا عالی شان محل تیار ہوا۔ محل کے پاس ہی ایک جامع مسجد تھی اس شہر کی تعمیر میں کئی سال لگے اور جن لوگوں کی نگرانی میں یہ شہر تیار ہوا تھا ان میں حضرت امام ابوحنیفہ جو اس وقت کے مشہور عالم تھے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں منصور نے قیصر روم سے کتب حکیمہ نکالیں۔ اور ترجمے منگوائے تحریر اقلیدس مجلی اور دیگر منہ کا ترجمہ اس کے عہد میں ہوا۔

جب منصور نے سفر آخرت اختیار کیا تو اس کا بیٹا مہدی کے لقب سے مسند نشین ہوا۔ یہ بڑا فیاض شخص تھا تخت پر بیٹھتے ہی جیلوں کے دروازے کھول دیئے۔ اور قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ مکہ معظمہ کے راستے میں جگہ بجگہ سرائیں بنوائیں۔ حوض اور کنوئیں کھدوائے جو ہمیشہ پانی سے لبریز رہتے تھے۔ مدینہ سے یمن تک ڈاک کا سلسلہ قائم کیا۔ مہدی بڑا نیک اور پرہیزگار تھا دس سال کی حکومت کے بعد ۱۶۹ھ میں ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

اب اس کے بیٹے ہادی نے عنانِ خلافت سنبھالی وہ بڑا بہادر

سخی اور عادل شخص اس نے حکم دیدیا کہ میرے دربار میں آنے سے کسی کو نہ روکا جائے۔ وہ عالموں کا بھی بڑا قدر دان تھا۔ ۱۵۰ھ میں اس کا زندگی کا آفتاب غروب ہوگیا۔

ہے خواب مرگ زندگی کی تازہ دلیل
یہ شام دے رہی ہے نوید سحر مجھے

اس کے بعد ہارون رشید نے بڑے ٹھاٹ سے کاربار خلافت سنبھالا اور بڑا زیرک اور ہوشیار شخص تھا۔ الف لیلیٰ کی داستاں اسی کے افسانوں سے آج تک رنگین ہے۔ اگرچہ وہ ایک فرضی قصہ ہے اس میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے تاہم تاریخ میں حضرات ہارون رشید کے دربار کی شان وشوکت اس کے حسن انتظام اور علوم و فنون کی قدر دانی سے انکار نہیں کر سکتے۔ اصل میں دیکھا جائے تو اسے بنی بنائی سلطنت مل گئی ایوانِ خلافت نہایت پرسکون تھا۔ شورشیں اور بغاوتیں ختم ہو چکی تھیں اسلئے انتظام ملکی علوم فنون کی ترقی اور عجیب وغریب ایجادات کے لئے خوب جان توڑ کر کوشش کی جس کی وجہ سے اس کی وسیع سلطنت امن و راحت گہوارہ بن گئی خدائے قدیر نے اسے فن تعمیر میں بھی خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ چنانچہ عروس البلاد بغداد کو خوشنما اور خوبصورت بنانے کیلئے اس نے اپنی تمام توجہ مرکوز کردیں جس سے تھوڑی دیر میں مرجع خلائق ہوگیا۔ ہارون رشید کے عہد میں

بغداد کی حالت سطور ذیل میں ملاحظہ فرمائیں جو خالی از دلچسپی نہیں
ہارون رشید کے وقت میں بغداد کی بھولنق اور شہرت میں غیر
معمولی اضافہ ہوا. اور تجارت میں نمایاں ترقی ہوئی. خندق کے
ساتھ فصیل میں کئی جدید پھاٹک نئے نئے محلے آباد ہوئے. بڑے
بڑے امیروں اور سرداروں نے عمر بھر کی کمائی خرچ کر کے محل بنوا
پہلے یہ شہر صرف دجلہ کے بائیں کنارے پر آباد تھا لیکن خلیفہ مہدی نے
ایک شہر داہنے کنارے پر آباد کیا. کشتیوں کے خوبصورت پل نے
ان دونوں شہروں کو آپس ملا دیا جس سے یہ شہر بھی بغداد
کا ایک حصّہ بن گیا دریا کے کنارے کنارے دور دور تک عالیشان
محلات کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا اور متعدد مقامات پر سنگ مرمر کے گھاٹ
بنے تھے دجلہ کا بہتا ہوا پُر شور پانی اور اس کی موجیں ان کے قدم
چومتی تھیں. محل کے گرداگرد شاداب باغ اور باغیچوں کا کوئی
شمار نہ تھا جن میں قسم قسم کے درخت اور طرح طرح کے پودوں
سے قطار در قطار استادہ تھے ان باغوں میں جگہ جگہ بلور جیسے صاف
پانی سے لبریز سنگِ مرمر کے حوض بنے ہوئے تھے. ان سے صاف پانی
نے کئی آبشاریں عجیب انداز سے ٹکرا کر گرتے تھے. کہیں کہیں
فوارے اچھلتے تھے ان حوضوں میں الواع اقسام کے خوش رنگ کی
مچھلیاں پانی سے کھیلتی تھیں.
خلیفہ کا محل گوناگوں دلچسپیوں کا مرقع تھا محل میں ایک سبز رنگ

گُنبد جو میلوں سے نظر آتا تھا۔ اس گنبد پر ہیبت اور باشوکت سوار کا مجسمہ بنا تھا۔ جس کے ہاتھ میں ایک لمبا اور بجلی کی طرح چمکتا ہوا ہوا بھالا تھا گھوڑے کے تیوروں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی سوار سمیت اڑا چاہتا تھا۔

قصرِ خلافت میں سنگ مرمرِ سُرخ کا حاشیہ تھا اور جگہ جگہ جواہرات جڑے تھے محل کے درمیان ایک وسیع ایوان تھا۔ اس ایوان پر پرستان کا دھوکا ہوتا تھا۔ اس محل میں قابل ذکر اور سب سے عجیب چیز ایک درخت تھا جو سارے کا سارا سونے کا بنایا گیا تھا اس کی شاخوں پر رنگا رنگ کے پرندے بیٹھے تھے کسی کی آنکھوں میں جڑے لعل کسی کی چونچ زمرد کی تھی اور پر ہیرے کے تھے۔ غرض اس محل کی ایک ایک چیز ایسی تھی کہ دیکھنے والا نقش حیرت بنکر رہ جاتا تھا محل کے پاس ہی ایک خوشنما مسجد بھی تھی بغداد کے ہر مکان سنگِ مرمر کے تھے ہر مکان کی کئی کئی منزلیں تھیں دروازوں اور دریچوں پر اطلس اور مخمل کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ فرش پر ایرانی قالین جن کے پھول پتوں پر بہار کے نقشے کھینچے ہوئے تھے سمندر اور خشکی کے راستے ملکوں ملکوں کا سامان تجارت آتا تھا۔ ہر قسم کے عالم فاضل اور ہر فن کے صاحب کمال دُور دُور سے کھنچکر بغداد پہونچے۔ شہر کی سڑکوں اور گلی کوچوں میں روشنی کا ایسا انتظام تھا کہ رات پر دن کا دھوکا ہوتا تھا

غرض کہ اس زمانہ میں بغداد کی ٹکر کا دنیا بھر میں کوئی شہر نہ تھا۔

ہارون رشید بڑا عالم فاضل خلیفہ تھا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس زمانہ کے بڑے مشہور عالم تھے شیعوں کے امام موسیٰ کاظم بھی اس زمانے میں ہوئے ہیں۔ ہارون رشید اکثر حدیث شریف پڑھنے کے لئے امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ وہ خود بھی شاعر تھا۔ اور شاعروں کا قدردان بھی تھا۔ اس کی قدر دانی اور اور سخاوت کی شہرت سن کر بڑے بڑے عالم آتے تھے اور حکیم بغداد میں چلے آتے تھے۔ ہندوستان کے اکثر پنڈت بھی خلیفہ کے دربار میں آتے تھے ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ہندوستان اور ایران کی زبانوں میں بہت مفید کتابیں ہیں۔

ہارون رشید نے ان سب کی تنخواہیں مقرر کر دیں اور حکم دیا کہ ان کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا جائے چنانچہ ترجمہ کا ایک علیحدہ محکمہ قائم کیا۔

اس کے عہد میں زراعت کی بھی بہت ترقی ہوئی گیہوں، چاول، جوار، باجرہ، کپاس اور ہر قسم کے پھل ملک کے مختلف حصوں میں پیدا ہوتے تھے۔ ہواس اور فالوس میں گنے کی کثرت تھی وہاں شکر کے کارخانے قائم ہوئے ماژندان میں پھولوں کی کثرت تھی۔ وہاں عطر اور عراق نکلتے تھے۔ خراسان کے کانوں سے لوہا نکلتا تھا۔ کرمان سے سیسہ اور چاندی ہاتھ آئی

تھی۔ تبریز میں چینی اور سنگ مرمر کی کثرت تھی۔ بصرہ میں شیشے اور صابن کے کارخانے تھے ایران کے بڑے بڑے شہروں میں اطلس زربفت طرح طرح کے ریشمی کپڑے اور قالین بنے جاتے تھے۔ ہارون رشید کی بیوی زبیدہ نے بھی کئی نئی نئی ایجادیں کیں۔ جن سے ملک کی صنعت وحرفت کی ترقی ہوئی۔ مثلاً جوتیوں پر موتی ٹانکنا پہلے اسی سے شروع ہوا۔ اس کے کپڑے اتنے قیمتی ہوتے تھے کہ بعض اوقات پچاس ہزار روپیہ اس کے ایک ایک جوڑے پر خرچ آتا تھا۔

آخر ہارون رشید تئیس سال دو مہینے کی حکومت اور ۴۸ برس کی عمر میں تمام چیزوں کو چھوڑ کر ۱۹۳ھ میں انتقال کر گیا۔

ہارون رشید کی وفات کے وقت مامون خراساں میں تھا اور خلافت پر اس کے بھائی امین نے قبضہ کر لیا۔ وہ بغداد کی طرف چلا۔ امام علی رضاؑ جو اس کے ہمراہ تھے راستہ میں انتقال کیا مامون کو اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور ان کا ایک عالیشان مزار بنوایا آخر چند معرکہ کے بعد امین مارا گیا اور مامون نے بغداد پر قبضہ کرکے خلافت کا اعلان کر دیا۔ مامون سخی بہت تھا ایک ایک شعر پر لاکھوں روپیہ دیتا تھا۔ اس کی طبیعت میں سادگی بہت تھی۔ شدید سے شدید دشمن کو بھی جب اس کے سامنے آتا تو اسے معاف کر دیتا۔ مامون خود بڑا عالم تھا۔ اس کے زمانے میں

ملک ملک کے عالم بغداد آئے ترجمہ کا محکمہ ترقی کرنے لگا۔روم کے بادشاہ کو لکھا کہ پرانے یونانی دواؤں کی جتنی کتابیں دستیاب ہو سکیں ہمارے پاس بھیجو۔ چنانچہ وہاں سے بہت سی نایاب کتابیں ہاتھ لگیں جن کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

ہندوستان کے ایک راجہ نے بھی حکیم دیدیان کو اس زمانہ کا مشہور عالم تھا۔ مامون کے دربار میں بھیجا۔ اس کے نوشیروان کے محل سے ایک کتاب ڈھونڈھ نکالی جو صندوق میں رکھ کر زمین میں دفن کر دی گئی تھی اس میں ایسی ایسی باتیں لکھی تھیں جو سنتا تھا حیران رہ جاتا تھا۔ مامون جزیرہ قبرص سے یونانی فلسفہ کی بہت سی کتابیں منگوائیں اور یورپ مصر، شام، ایران جہاں کہیں کتابوں کا پتہ لگا طلب کر کے ترجمہ کرایا۔

حریم خلافت میں اونٹوں پر لد کر
چلے آتے تھے مصر یوناں کے دفتر

دواؤں کی خاصیتوں کا ستاروں کی گردش کے حساب عربی صرف نحو کے متعلق کئی کتابیں لکھی گئیں۔ ایک مرتبہ زمین کی پیمائش کا حکم دیا۔ عالموں نے حساب لگا کر نتیجہ نکالا کہ زمین کا گھیر چوبیس ہزار میل ہے یہ کام ہو چکا تو آسمان کی طرف توجہ دلائی گئی۔ چنانچہ ستاروں کے حالات معلوم کئے گئے مقصہ کوتاہ اس علم دوست رعایا پرور خلیفہ نے پچیس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۸ رجب ۲۱۸ھ میں بمقام

طرطوس اس جہان سے کوچ فرمایا۔

پھر معتصم باللہ خلیفہ ہوا وہ بڑا شجاع حکمراں تھا رعایا کی خوشحالی کا بڑا خیال رکھتا تھا آٹھ سال اور آٹھ مہینے بعد وہ بھی ملک عدم کو سدھارا اور اس کا بیٹا واثق تخت نشین ہوا وہ بڑا سخی حکمراں تھا وہ دوسری زبانوں کا ترجمعہ کرانے اور عالموں کی باتیں سننے کا اسے بڑا شوق تھا اس کے زمانے میں عباسیہ خلافت کمزور ہو گئی اور اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی وسیع سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی چنانچہ اندلس پہلے ہی علیحدہ ہو گیا۔

حضرت علیؓ کے خاندان کے ایک آدمی نے بہت بڑا علاقہ دبا کر مراقش میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی افریقہ کا حکمراں قلب بھی خود مختار ہو گیا۔ ادہر خراساں میں طاہرہ خاندان نے زور پکڑا دوسرے ملک کے حاکموں نے بھی خلیفہ بغداد سے کٹ کر الگ الگ آزاد حکومتیں قائم کر لیں۔ آخیر چھ سال کی حکومت کر کے ۲۳۲ھ میں انتقال کیا اس کے بعد عباسیہ خلافت تین سو سال تک عروج و زوال کی کشمکش میں مبتلا رہی۔ اکثر اوقات ان کی حکومت بغداد اور اس کے گرد و نواح تک محدود ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی باکمال پیدا ہوتا تو پھر ایک دفعہ شان پیدا کرتا اور سلطنت کو وسعت دیتا لیکن آج اتنا عروج انھیں کبھی نصیب نہ ہوا جتنا ہارون رشید اور مامون نے دیکھا تھا لیکن اس سیاسی زوال حالت میں بھی ان کے سایہ میں علوم و فنون دن

دوگنی ترقی کر رہے تھے اور ان کی تمدنی و معاشرتی حالت اعلیٰ درجہ اختیار کرتی گئی۔

اس کمزوری کی حالت میں بھی جب کسی حاکم پر ان کا زور نہیں چلتا تھا خلیفہ کو دنیا بھر کے مسلمان اپنا پیشوا سمجھتے اور ان کا نام نماز جمعہ کے خطبہ میں ضرور لیا جاتا۔ تمام فرمانروا مسلمان کو اس بات کا خیال ہوتا ہے کہ خلافت کے دربار سے حکومت کی سند مل جائے یہ تاجدار اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے خیال سے لڑتے بھی رہتے تھے اگرچہ خلافت کی کمزوری اور ان حکمرانوں کی باہمی لڑائی جھگڑوں سے مسلمانوں کا جتھا ٹوٹ گیا۔ اور اسلام کی شوکت کو بہت نقصان پہونچا پھر بھی اس خاندان میں ایسے ایسے دلاور اٹھے جن کا کارناموں کی بدولت اسلامی حکومت کے زوال میں بھی کمال چمک نظر آتی رہی ان میں سے سلجوقی خاندان زیادہ قابل ذکر ہے۔

پانچواں باب

تذکرہ بہادران اسلام

خواجہ غریب نوازؒ کی پیدائش کے وقت خراساں میں سلجوقی خاندان برسرِ اقتدار تھا اس خاندان کا چمن اقبال کوئی سو سال تک پر بہار رہا۔ اسلامی تاریخ

ہیں ان کے کارنامے سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس خاندان کا بانی سلجوق ترکستان کے ایک مشہور قبیلے ساغر کا ایک فرد تھا۔ نہ معلوم کس بات پر ترکستان کے بادشاہ سے اس کی ان بن ہوگئی۔ اور اپنے قبیلہ کے سو سوار ایک ہزار اونٹ پچاس ہزار بھیڑیں ہمراہ لے کر جند کے علاقہ میں جو بخارا کے قریب واقع ہے اٹھ آیا۔ یہاں آ کر وہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ وہ عمر بھر پکا ایک مسلمان رہا اس زمانہ میں کبھی کبھی وحشی ترک آس پاس کی بستیوں کو لوٹ مار کی غرض سے چلے آتے تھے تو سلجوق جھٹ سینہ سپر ہو کر آگے بڑھتا اور انہیں مار مار کر بھگا دیتا اس طرح مسلمانوں کی جان و مال نقصانِ عظیم سے بچ جاتی اکثر اوقات وہ ساسانی بادشاہوں کی مدد کرتا رہا۔ انجام کار اس نے ماوراء النہر کے علاقہ میں ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی اور حکومت کرنے لگا جب وہ مدّت العمر تک باغِ جہاں کی سیر کر چکا تو اسکی ڈاڑھی اور سر کے بال روئی کے گالے کی طرح سپید ہو گئے۔ تو ملک الموت پیغامِ اجل لیکر آگیا۔ اس وقت اس کا گلشنِ اولاد پھلا پھولا ہوا تھا وہ بہت بیٹیوں اور پوتوں کو یادگار چھوڑ کر ملک عدم کو روانہ ہوا۔

اس کے متعدد پوتوں میں طغرل بیگ اور چغر بیگ بڑے نامور ہوئے ہیں ان کی بے نظیر بہادری کے واقعات سے صفحوں کے صفحے سیاہ ہیں۔ ان کے عہد میں بہت سے بھیڑ بکریاں چرانے والے خانہ بدوش غزو وسط ایشیا کے میدان سے آکر ان کی فوج میں شامل ہو گئے جس سے

ان کی طاقت میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا. اب اگرچہ وہ بارونق شہروں میں رہتے تھے. لیکن اس خاندان کے لوگ اپنے باپ دادا کی رسم و رواج کو ابھی تک نہ بھولے تھے. یہ قسمت آزما ترکمان بھی ایک جگہ زیادہ دیر تک جم کر نہیں بیٹھے تھے کسی طاقتور دشمن سے مقابلہ پڑ جاتے تو بال بچوں کو کسی صحرائی محفوظ مقام پر بھیج دیتے اور خود مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے اور تلواروں کے میان توڑ اس طرح لڑتے تھے کہ دشمن کا منہ پھیر دیتے ان کو بڑھتی ہوئی طاقت سے ہمسایہ حکومتوں کو خطرہ محسوس ہونے لگا قبیلہ غز کی دیکھا دیکھی ترکوں کے دوسرے کئی قبیلے بھی تیغ آزمائی کے لئے اپنے باپ دادا کے ملک سے نکل کھڑے ہوئے. ان میں اکثر طغرل اور چغر بیگ کی فوج میں داخل ہو کر ان کی قوت بازو دیتے. یہ دونوں بھائی عرصہ تک بخارا اور کاشغر کے حکمرانوں اور محمود کے صوبیداروں سے ٹکراتے رہے محمود کے خراج گذاروں میں سے خوارزم شاہ نے ایک دفعہ انہیں اپنے پاس بلا بھیجا. اور دھوکے سے بے خبری کے عالم میں ان پر حملہ کر دیا. جس پر دونوں بھائی بہت سے آدمیوں کو موت کے بھینٹ چڑھا کر اپنی جانیں بچا کر جیحوں سے پار اترے اور خراساں پہنچکر ادھر کے ملکوں پر چھاپے مارنے لگے.

آخر تنگ آکر سلطان کے بیٹے مسعود نے ان کی سرکوبی کے لئے کئی مرتبہ لشکر بھیجے. مگر ہاسند اور اٹک پار کے افغان اور ہندوستان کے ہاتھی صحرائیوں میں بسنے والے ان ترکمانوں کے مقابلے کی تاب

نہ لاسکے تھے اور سلجوقی شہر پہ فتح کرتے جاتے تھے حتیٰ کہ مرو (جو افغانستان کا دار الخلافہ سمجھا جاتا تھا) پھر بھی سلجوقی جھنڈا جا گاڑھا۔

ناچار مسعود ستر ہزار سوار اور تیس ہزار پیادے اور بے شمار گھوڑے ہاتھی لیکر خود مقابلہ کو آیا سلجوقی بہادر جنگی چالوں کو خوب جانتے تھے۔ مسعود آتے دیکھا سامنے سے ہٹ گیا۔

جب وہ بلخ اور نیشاپور پر قبضہ کرچکا تھا تو سلجوقی فوجیں سمیٹ کر مقابلہ پر چڑھے پہلے طغرل بیگ فوج لیکر آیا ابھی وہ معروفِ پیکار ہی تھا کہ جیقر بیگ فوج لیکر لوٹ پڑا مسعود شکست کھا کر ایسا بھاگا کہ غزنی جاکر دم لیا۔ اور تھوڑے دنوں بعد انتقال کیا۔ اب سلجوقیوں کا کوئی مدمقابل نہ رہا۔ اور خراساں کے تمام شہروں پر قابض ہو گئے انھوں نے اپنی سلطنت کے دو مرکز قائم کئے مشرق میں بلخ اور مغرب میں نیشاپور اور دونوں بھائیوں نے ملکی انتظام آپس میں تقسیم کر لئے۔ طغرل بیگ ملک کا انتظام کرتا تھا۔ جیقر بیگ فوج کا سردار تھا تھوڑے دنوں میں خوارزم کا علاقہ بھی ان کے ہاتھ آگیا۔ اب طغرل بیگ نے بھائی کو خراساں میں چھوڑا۔ اور خود کرمان، ہمدان اور جرجان اور آذربائیجان کو فتح کرکے چھوٹے بڑے سرداروں سے خراج لیتا۔ بغداد کی طرف بڑھا کہ ایک دفعہ روم کے دروازے پر جا پڑا اور ارضِ روم تک سارا علاقہ فتح کرکے لوٹا۔ اسی اثنا میں جیقر بیگ مر گیا اور اُس کی جگہ اس کا بیٹا۔ الپ ارسلان تخت نشین

ہوا چونکہ بغداد مہم بڑی سخت تھی. اس لئے الپ ارسلان ایک لشکر جرار لیکر خود طغرل بیگ کی مدد کو پہونچا. اساسیری کے عرب دیسی سپاہی بڑی جرارت سے مقابلہ کر رہے تھے پر دونوں چچا بھتیجے بڑی جانبازی سے لڑتے بھڑتے ہوئے. بغداد میں داخل ہوئے اور وہاں امن قائم کیا.

تیرا چلنا ہو گلشن یکایک لہلہا اٹھا
نظر مجھ کو تیری قدرت تیرے پر وردگار آئی

کچھ عرصہ کے بعد طغرل بیگ نے انتقال کیا اور اس وسیع سلطنت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں آئی جو دریائے جیحوں سے لیکر فرات تک پھیلی ہوئی تھی وہ بڑا بہادر شخص تھا. جدھر بڑھتا جاتا تھا فتح و نصرت استقبال کو آتی تھی. اس کے عہد میں رومیوں سے ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی اور مشہور ترین لڑائی کے واقعات اس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ طغرل بیگ مرحوم کے حملوں نے رومیوں کے دلوں میں گھاؤ ڈال رکھے تھے. اس زندگی میں تو انہیں بدلہ لینے کا موقع نہ ملا. لیکن جب اس کی وفات کی خبر روم میں پہونچی تو وہ شیر ہو گئے. انہوں نے خیال کیا کہ خلافت عباسی نزع کی حالت میں ہے. اور الپ ارسلان ناتجربہ کار نوجوان ہے ان کو مار لینا کوئی بڑی بات نہیں ہے. اس لئے وہ دارالخلافت بغداد پر پرچم لہرا کر اسلام کو ذلیل کرنے کے ارادے سے جنگ کی تیاریاں بڑے زور شور سے کرنے لگے.

عباسی خلافت میں اپنی کمزوری کی وجہ سے رومی بزدا آزماؤں کے

مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ جب الپ ارسلان نے یہ خبریں سنیں کہ رومی اسلامی خلافت کو ملیامیٹ کرنے کا عزم صمیم کر چکے ہیں وہ آتش زیر پا ہوگیا اور اس کی رگِ حمیت میں ایسا جوش آیا کہ فوراً فوج ظفر موج لے کر روم کی طرف جھپٹا۔

سونپ دیں پرچم تثلیث کو بغداد و دمشق
نہیں امید یہ کعبہ کے نگہبانوں سے

اور پیش دستی کر کے فرات سے پار اترا اسی جوش کی حالت میں شہر پہ فتح کرتا ہوا آرمینا و گرجستان پر چڑھا۔ اور آرمنی و گرجستانی بڑی بے جگری سے لڑے۔ ایشیا کے پہاڑوں میں ایسے جنگل اور دوسرے بکثرت ہیں جن سے تھوڑی سی فوج ایک بڑے لشکر کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ لیکن قدرتی قلعے بھی ترکمان سپاہیوں کے سامنے سدِ سکندری نہ ہو سکے اور انھوں نے نہایت آسانی سے گرجستان اور آرمینا پر قبضہ کر لیا۔ روم کا بادشاہ ارمانوس بہادر تھا۔ وہ ایک لشکر جرار لے کر جس میں فرانس نامنڈی مقدونیہ اور بلغاریہ کے پہلوروں کے علاوہ ترکوں کے بہت سے وحشی قبیلے بھی شامل تھے بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں کے مقابلہ پر آیا۔ یہ فوج شمار میں ایک لاکھ سے بھی اوپر تھی۔ راہ میں عیسائیوں کے اور بھی لشکر آکر ملتے رہے۔

الپ ارسلاں کے جھنڈے تلے صرف چالیس ہزار شمشیر زن بہادر تھے۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے خیمہ زن ہو گئیں تو الپ ارسلاں

نے قاعدہ کے مطابق پیغام صلح بھیجا۔

ارمانوس غرور کی ہوا میں بھرا ہوا تھا صلح نامہ کو سلطان کی کمزوری پر محمول سمجھ کر اور بھی اکڑا جواب میں کہلا بھیجا۔ اگر صلح چاہتے ہو تو رے کا شہر تمہارا مرکز حکومت ہے۔ ہمارے حوالے کرو سلطان اس مضحکہ خیز جواب کو سن کر مسکرا دیا اور یہ فرما دیا اور فرمایا۔

افسوس اس معرکہ میں بہت سے مسلمانوں کی لاشیں خاک وخون میں تڑپیں گی۔" الغرض یہ دونوں لشکر تین روز تک آمنے سامنے پڑے رہے

جمعہ کے روز لڑائی کی ابتدا ہوئی، جنگ شروع ہونے سے پہلے سلطان نے منادی کرادی کہ جس شخص کو جان عزیز ہو پلٹ جائے پھر سفید لباس (بطور کفن) پہنا۔ عطر لگایا۔ تیر و کمان پھینک کر گرز ہاتھ میں لیا اور اپنی فوج کے سرداروں کی طرف رخ کرتے کہنے لگا کہ اگر میں اسی معرکہ میں مارا جاؤں تو جس مقام پر میں جان دوں وہیں دفن کرنا۔

قبائے دولت اسلام جس سے رنگیں تھی
پھر اک زمانہ کے بعد اسکے لہو میں جوش آیا
ثمنین بدر سما جائیں گے آنکھوں میں
وہ دیکھو لشکر ترکان سرفروش آیا

الپ ارسلان نے اپنے سواروں کو نیم دائرے کی صورت میں

آراستہ کیا۔ یہ سیٹم دائرہ موقع کے مطابق سمٹتا اور پھیلتا تھا۔ آگے آگے ترک تیر انداز جو آواز پر تیر مارتے تھے۔ کمانیں گلے میں لٹکائے پشت پر ترکش ڈالے کھڑے تھے۔ داہنے بائیں نیزہ باز اور شمشیر زن مستعد تیار کھڑے۔ لشکر کے بیچوں بیچ خود سلطان گرز ہاتھ میں لئے پہاڑ کی طرح ڈٹا ہوا تھا۔ ادھر ارمانوس بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور نیزہ ہاتھ میں لیکر فوج کو ترتیب دینے لگا۔

ارمانوس کو اس بات کا گھمنڈ تھا کہ اتنی بڑی فوج جب یکبارگی چڑھے گی تو ان میں مسلمانوں کو کچل ڈالے گی۔ اس خوشگوار امید کے سہارے اس نے ساری فوج کو حکم دیا۔ جب اس لشکر کو حرکت ہوئی تو ایسا معلوم ہوا کہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر بڑھا چلا آرہا ہے۔ سلطان نے دشمن کو بڑی خوبصورتی سے روکا۔ ارمانوس اور اس کے سپاہی لڑ کر چور ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ آخر ارمانوس نے فوج کے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ یہ ہٹنا ان کے لئے قیامت ہو گیا۔ ترکمان تیراندازوں نے کمانیں سنبھالیں اور تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ نیم دائرے نے بڑھ کر دائرہ کی شکل اختیار کر لی۔ شیر کی طرح بپھرا ہوا سلطان خود بڑھ کر جھپٹے کرتا جدھر جا پڑتا صفیں کی صفیں الٹ کر رکھ دیتا۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

اگرچہ لڑائی کا فیصلہ ہو چکا تھا لیکن ارمانوس نے ہمت نہ ہاری اور شام تک لڑتا رہا اس کے داہنے بائیں فوجیں کھڑی تھیں وہ سلمانوں کی شمشیر جوہر دار کی تاب نہ لاکر سر پر پاؤں رکھکر بھاگیں۔ اور اس کے گرد صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے۔ ایک غلام نے اسے تاکا اور تلوار کا وار کیا۔ قیصر نے اوچھا سا زخم کھایا۔ غلام نے پھر تلوار اٹھائی لیکن ارمانوس پکار اٹھا خبردار میں روم کا بادشاہ ہوں مجھے زندہ گرفتار کرکے اپنے سلطان کے پاس لے چلو۔ غلام نے ہاتھ روک لیا اور قیصر کو پکڑ کر سلطان کے پاس لے آیا۔

الپ ارسلان نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور بڑے اخلاق اور مروت سے پیش آیا۔ تین دفعہ معانقہ کیا اور تسلی دیتے ہوئے کہا (تمہاری جان پر کوئی آنچ نہ آنے پائے گی) تھوڑی دیر تک دربار میں بٹھا کر دوسرے خیمہ میں بھیجا جس کا ساز و سامان قیصر کی شان کے مطابق تھا۔ سلطان کے سردار اس کی خدمت میں کمربستہ حاضر رہتے تھے۔ آٹھ دن تک مہمانیاں ہوتی رہیں۔ ایک دورانِ ملاقات میں سلطان نے باتوں باتوں میں قیصر کے سرداروں کی بے وفائی کا ذکر کیا جو اسے موت کے منہ میں چھوڑ کر ہوا ہو گئے تھے۔ اور ساتھ ہی جو غلطیاں فوج کو لڑانے میں ارمانوس سے سرزد ہوئی تھیں وہ بھی بتا دیں اثنائے گفتگو میں سلطان نے اس سے پوچھا بتاؤ تم سے کیا سلوک کیا جائے۔ قیصر نے جواب دیا۔ اگر تم ظالم ہو تو مجھے قتل کرا دو۔ دنیا پر اپنی بڑائی

بچانا چاہتے ہو تو اپنا غلام بنالو یا قیدی لو۔ لیکن تمہارا فائدہ اسی میں ہے
کہ کچھ لے کر مجھے رہا کر دو۔"

سلطان نے استفسار فرمایا کہ اگر میں تمہارے ہاتھ آجاتا تو تم مجھ سے
کیا سلوک کرتے؟" ارمانوس نے کہا۔ میں تمہیں کوڑوں سے پٹواتا۔

سنکر بہادر سلطان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی اور فراخ دل
اور بامروت نے نہایت شفقت سے فرمایا۔ بہرحال میں تم سے
ایسا سلوک نہیں کروں گا۔

اب صلح کی شرطوں پر گفتگو ہوئی اور طے پایا کہ قیصر دس لاکھ اشرفیاں
اور زرِ فدیہ ادا کرے۔ تین لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیاں سالانہ خراج ادا
کرتا رہے اور بندی خانے کے دروازے مسلمان قیدیوں کے لئے
کھول دیئے جائیں نیز قیصر اپنی بیٹی کو سلطان کے بیٹے کو بیاہ دے چنانچہ یہ
شادی بڑی شان و شوکت سے ہوئی اور قیصر کو رہا کر دیا گیا۔

ترکستان الپ ارسلان کا آبائی وطن تھا اس کی فتح کا شوق رہ رہ کر
دل میں چٹکیاں لیتا تھا۔ رومیوں کی لڑائی سے فارغ ہو کر ادھر کا قصد
کیا یہاں کے پہاڑوں صحراؤں پر فتح کا پرچم لہرا کر چھوڑا اور خاقان کی
لڑکی سے ولی عہد سلطنت شہزادہ ملک شاہ کا بیاہ رچایا۔ اس زمانہ میں
اس حکومت کا عروج کا آفتاب نصف النہار پر پہونچ چکا تھا۔ اس کی
سلطنت بحیرہ اسود تک پھیلی ہوئی تھی بڑے بڑے بہادر گردن کش
اس کا نام سنکر لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔

جب اسکی سواری نکلتی تھی تو زرق برق لباس پہنے ہوئے بارہ سو شہزادے اسے اپنے حلقہ میں لئے ہوئے ہوتے تھے ترکستان کی مہم میں گیا تاتیر تھی کہ ایک معمولی شورش کی خبر آئی تو اسے فرد کرنے کے لئے خود سلطان روانہ ہوا اتنا بڑا لشکر ساتھ تھا کہ دریائے جیحوں کو عبور کرنے میں بیس دن صرف ہوئے۔ دریا پار اتر کر کے معلوم ہوا کہ ادھر کے پہاڑوں میں یوسف نامی قلعدار سلطانی لشکر کے مقابلے میں اڑا ہوا ہے۔ بشیر کے سامنے بیچاری چڑیا کی کیا بساط تھی سلطان نے پہنچتے ہی اسے گرفتار کرایا یوسف نے بڑی گستاخی سے باتیں کیں سلطان نے غصہ میں آ کر اس کے قتل کا حکم دیا۔ یوسف نامی نے یہ سنکر خنجر نکالیا اور سلطان کی طرف بڑھنا چاہا۔ درباری اسے روکنے کو جھپٹے۔ لیکن سلطان نے کہا آنے دو۔ میں خود اسے تیر کا نشانہ بنادوں گا۔ الپ ارسلان تیر اندازی میں بڑا ماہر تھا اور جو تیر مارتا تھا عمر بھر اس کا نشانہ کبھی خطا نہ ہوا تھا۔ لیکن اس موقع پر خدا جانے کیا ہوا تیر کمان سے چھوڑتے پھسلا اور تیر نشانے پر نہ بیٹھا۔ جب تک وہ سنبھلے یوسف کا خنجر اپنا کام کر گیا۔ سلطان نے کاری زخم کھایا۔ جو جراح دوڑے آئے۔ بہت سی تدبیریں کیں۔ لیکن موت کے سامنے کسی کا زور نہ چلا۔ الپ ارسلان نے بارہ سال حکومت کر کے ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔

الپ ارسلان کا زمانہ فتوحات کے علاوہ علمی ترقی اور ملکی خوشحالی کے لئے بھی بہت مشہور تھا۔ اصل میں ان کارناموں کا

پھر اس کے وزیر نظام الملک کے سر پر ہے جو بڑا دانشمند شخص تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ترکی خاندان کے سوا اسلامی دنیا میں اس پایہ کا کوئی ایسا وزیر نہیں گذرا سلجوقی دربار میں اس کی رسائی کی جگہ وزیر اعظم مقرر ہوا ملک شاہ نے ابھی زندگی کی اٹھارہ بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ عظیم المرتبت باپ (الپ ارسلان) کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس نو عمر شہزادے کو کم عمر جان کر اس چچا اور بھائی سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ اور علم بغاوت بلند کر دیا۔ لیکن ایک تو ملک شاہ خود بڑا شجاع تھا دوسرے نظام الملک جیسا وزیر اعظم سلطنت سنبھالے ہوئے تھا۔ اس لئے بغاوت کا دور جلد دب گیا جب سلطنت کے سارے دعویدار طاقت آزما کر ہار چکے تو اندرونی شور و شر کا کوئی اندیشہ نہ رہا تو ملک شاہ نے ترکستان کا قصد کیا کیونکہ ادھر کے گردن کش ابھی پوری طرح قابو میں نہیں آئے تھے دریائے جیحون سے پار اتر کر ترکمانوں کو پے درپے کئی شکستیں دیں اور جوش شجاعت میں چین کی سرحد پر پہنچ کر دم لیا۔ کاشغر میں اس کا نام سکہ پر کندہ ہوا اور نماز جمعہ خطبہ میں بھی اس کا نام لیا جانے لگا۔ یہاں سے پلٹا تو جنوبی اور مغربی سرحدوں کی طرف بڑھا اور جہانگیری کا نقارہ بجاتا ہوا گرجستان ملک جا پہنچا۔ رومیوں کے علاقہ پر حملہ کر کے انطاکیہ سے قسطنطنیہ تک سارا علاقہ فتح کر ڈالا۔ آخر قیصر نے مجبور ہو کر جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔

ملک شاہ کو عیش و عشرت کی طرف زیادہ رغبت نہیں تھی۔ سارا

وقت سلطنت کے کام میں گذار دیتا. دارالخلافہ میں کبھی جم کر نہیں بیٹھا ہمیشہ ملک کا دورہ کرتا رہا. اس کی سلطنت کی وسعت کا یہ حال تھا کہ ایک طرف اس کا ڈنڈا چین سے ملتا تھا دوسری طرف اسکی حکومت روم تک پھیلتی ہوئی تھی اس نے بارہ دفعہ اس وسیع علاقے کا دورہ کیا ہر صوبہ میں پہونچا وہاں کے حالات دیکھ کر مناسب حکم احکام جاری کئے پل بنوائے نہریں کھدوائیں. مسجدیں مدرسے اور شفاخانے تعمیر کرائے سڑکوں پر جگہ جگہ سرائیں بنوائیں. جس میں مسافروں کے آرام و آسائش کے سارے سوجود رہتے تھے. ایک دفعہ حج کرنے گیا جن راستوں سے اسکی سواری گذری وہاں کے لوگ نہال ہوگئے سلجوقیوں میں وہ سب سے زیادہ اقبال مند بادشاہ گذرا ہے مورخ اس کی تعریف کرتے کرتے نہیں تھکتے.

جس قدر بادشاہ فیاض و شجاع تھا. اس سے زیادہ دس گنا منظم اور سخی تھا. اس میں ملک شاہ جس پایہ کا سلطان تھا الملک اسی پایہ کا وزیر تھا. وہ بڑا عالم فاضل شخص تھا. ہر فن کے صاحب کمال اسکی قدردانی کا حال سن کر کھچے چلے آتے تھے. اس زمانے کے سلطنت کے انتظام کے جو قاعدے اور قانون بنے اس سب کو اس کی قابلیت کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے. نظام الملک نے سیاست نامہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں حکومت کے بندوبست اور انتظام کے طریقے اور حکمراں کے اصول اور قاعدے بیان کئے گئے ہیں.

اس نیک دل وزیر سے پہلے ملک میں مذہبی جھگڑوں کا زور تھا بعض فرقوں پر نماز جمعہ کے بعد لعنت بھیجی جاتی تھی۔ یہ حال دیکھکر بہت سے عالم دوسرے ملکوں میں چلے گئے تھے۔ انھیں بڑی عزت و توقیر سے واپس بلایا۔ اس نے کئی مدرسے قائم کئے۔ چنانچہ بغداد اور نیشاپور کے مدرسے اس کے نام پر نظامیہ کہلاتے تھے۔ بغداد کے بعد مدرسے نظامیہ نے بڑا نام پایا۔ دور کے ملکوں سے ہزارہا طلبا مسافت طے کر کے اس میں پڑھنے آتے تھے تھوڑے دنوں میں دنیا کا ایک بہت بڑا تعلیمی مرکز یونیورسٹی ہو گیا نظام الملک کو رعایا کی خوشحالی کا بہت بڑا خیال رہتا تھا۔ اس نے بہت سے محصول جو اگلے بادشاہوں کے وقت سے چلے آتے تھے ہٹا دیئے اور پرانے مالی انتظام میں بہت سی اصلاحیں کیں کیسا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو اذان کی آواز سن کر کھڑا ہوتا تھا۔

ملک شاہ نے اپنی بیٹی بغداد کے عباسی خلیفہ مقتدی کو بیاہ دی وہ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنی سلطنت کے تمام حصوں پر اپنے رشتہ داروں کو حاکم مقرر کیا۔

ایشیائے کوچک کا علاقہ جو رومیوں سے چھینا گیا تھا سلیمان بن قطلمش کے ہاتھ آیا روم کے علاوہ کرمان و کردستان اور شام میں بھی سلجوقیوں کی تین علیحدہ علیحدہ سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ کرمان میں شاہ کا چچا حکمراں تھا اور شام فلسطین میں اس کا بھائی فرمابردار تھا۔ کردستان کی خود مختار حکومت ملک شاہ کی وفات کے بعد

قائم ہوئی۔

ملک شاہ کے دورِ حیات کے آخری دنوں میں جانشینی کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے ہوئے اسی سلسلہ میں ترکان خاتون اور بعض کوتاہ اندیش درباریوں کی بلا وجہ شکایات کے سبب سے ملک شاہ نے نظام الملک کو عہدہ وزارت سے سبکدوش کر دیا۔ اس موقعہ کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ ایک باطنی فدائی نے حسن بن صباح کے اشارے سے اس فیض رسان عالم وزیر کو جام شہادت پلا دیا۔ نظام الملک کی شہادت کے واقعہ سے صرف ۳۲ دن بعد ملک شاہ بھی ملک عدم کو روانہ ہوا۔

سلجوقیوں کے اقبال کی بہاریں ملک شاہ اور نظام الملک طوسی کے ساتھ ختم ہو گئیں۔ ملک شاہ کی زندگی ہی میں ولی عہد کا جھگڑا شروع ہو گیا تھا اس کے چار بیٹے تھے۔ (۱) برقیارق (۲) محمد (۳) سنجر (۴) محمود۔

ان میں سب سے چھوٹا محمود تھا۔ اگرچہ اس کی ماں ترکان خاتون بڑی عقلمند تھی اور بادشاہ کے مزاج میں اُسے بڑا دخل تھا اس نے محمود کو تخت پر بٹھانے کے لئے جوڑ توڑ کئے کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی اور سلطنت شاہ کے بڑے بیٹے برقیارق کے ہاتھ آئی لیکن ایک تو نظام الملک جیسا کوئی وزیر نہ تھا جو سلطنت کو سنبھالے رکھتا دوسرے برکیارق میں الپ ارسلان اور ملک شاہ کی خوبیاں نام کو نہ تھیں۔ اس طرح یہ ہوا کہ سلطنت کے کئی دعویدار اٹھ کھڑے ہوئے محمد نے اپنی سلطنت

قائم کرلی اور برکیارق کے پاس خوزستان فارس دیار بکر اوراسکے علاقے رہ گئے برکیارق نے ۴۹۸ھ میں انتقال کیا اور اس کے بھائی اور بیٹے میں لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ ادھر ملک شاہ کے چھوٹے بیٹے محمود نے زور پکڑا اور سنجر سے اس کے کئی معرکے ہوئے محمود کے بیٹوں میں بھی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ مگر سنجر نے سب کو نیچا دکھا کر تمام ملک پر قبضہ کرلیا خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری کی پیدائش کے وقت یہی سلطان خراسان (سجستان) سیستان اور ایران وغیرہ ممالک مشرق پر حکمراں تھا۔

سلطان سنجر اگرچہ سلجوقی شہزادوں سب سے زیادہ عقلمند اور بہادر تھا مگر۔ اس کے ساتھ ہی قسمت کا بھی دلی اس کے مقدر رسا بھی ستارہ عمر بھر گردش میں رہا موت تک بھائیوں کی بیوفائی اور بھتیجوں کی سرکشی سے دعوت مبادرت دیتی رہی اور آئے دن میدان جنگ کے لئے نئے نئے نقشے سامنے آجاتے تھے عزیزوں کی ہوس ملک گیری نے اسے عرصے تک شمشیر بکف رکھا ان خانہ جنگیوں نے اس کا زور توڑ ڈالا جس سے اس کی حکومت زندگی کے آخری مرحلوں پر پہنچ گئی۔ مگر اس کا پایہ استقلال آخر دم تک نہ ڈگمگایا۔ اور اس بلند ہمتی سے سلطنت کے مردہ جسم میں زندگی کے کچھ کچھ آثار نمایاں ہونے لگے۔ ایران میں اسے نمایاں کامیابی ہوئی۔ لیکن ترکستان و ماوراءالنہر میں زیادہ دیر تک اس کے قدم نہ جم سکے پھر بھی ایک مرتبہ سمرقند میں پھر بغاوت کے شعلے بلند ہوئے اور ایک سردار مقابلے

کے لئے تیار ہو گیا۔ سلطان سنجر بلغارہ ہوتا ہوا وہاں پہونچا اور سمرقندی بہادروں کو بڑی مشکل سے نیچا دکھا پایا۔ لیکن اس کے بعد تماقستانی ترکمانیوں کو تیزیوں کے ساتھ لڑائی کا بہت لمبا سلسلہ شروع ہو گیا اب سلجوقیوں کا چمن اقبال کوئی سو سال تک پر بہار رہا قوموں کی زندگی میں سو سال کوئی چیز نہیں۔ ان کی سلطنت کے پھیلاؤ پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ عباسی خاندان کے زوال کے بعد اتنی لمبی چوڑی سلطنت کسی خاندان کے قبضہ میں نہیں آئی۔ اور سلطنت بندوبست اور حکومت کے طور طریقوں اور علمی مجلسیوں پر غور کرو تو دوسرا ہی عالم نظر آتا ہے۔

چھٹا باب

مہاجرین سنجر کا مصیبت زدہ قافلہ

خواجہ معین الدین حسنؒ عالم وجود میں آئے تو تماشہ گاہ عالم میں اس ڈرامہ کے طرح طرح سا مناظر دکھلائے جا رہے تھے جس کا کچھ حصہ ابواب گذشتہ میں آ چکا ہے۔

کرمۂ ماہ نور کے اس نور نظر نے جب اپنی اپنی چھوٹی چھوٹی تو لاتی آنکھیں کھولیں تو ایسے ایسے انسانیت دلبرزہ خونفشانے نظر آئے کہ الامان والحفیظ۔ ان واقعات کی تفصیل اس طرح

ہے کہ ان دنوں سیستان اور اس کے ملحقات پر تازہ مصیبت یہ ٹوٹ پڑی کہ حکومت کی کمزوری کو محسوس کر کے ترکمان کا ٹڈی دل سیستان پر حملہ آور ہوا اور اس پر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ اس معرکہ جدال و قتال میں وہاں کا حاکم مارا گیا۔ جس سے فتنہ و فساد کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ طول و عرض ملک میں بدامنی و بے چینی کا دور دورہ تھا ڈاکوؤں اور لیٹروں کے ہاتھ سے کسی کی جان و مال اور عزت آبرو محفوظ نہ تھی۔ ابنائے عالم کی ان جفاکاریوں سے آپ کے سینہ میں ننھا سا دل درد سے بھرا جاتا تھا۔ الغرض انہیں حالات میں آپ نے اب عمر کے ساتویں برس میں قدم رکھا۔ آنکھوں کی مصیبتوں اور پریشانیوں سے دل برداشتہ ہو کر خواجہ غیاث الدین حسن ہجرت کے سلسلہ پر غور کرنے لگے۔ آخر فیصلہ یہی ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے ایک دن انہوں نے رخت سفر باندھا بیوی بچوں کو لیا اور امن و سکون کی تلاش خراسان کی سمت روانہ ہوئے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس قافلے میں کتنے آدمی تھے۔ تاہم اس زمانہ میں جب کہ راستے پر خطر ہو رہے تھے۔ آپ نے تن تنہا سفر نہ کیا ہوگا۔ ہنج سے جو شاہراہ خراسان جاتی تھی وہ جھیل زرہ کو بائیں ہاتھ چھوڑ کر پہلے شہر زرنج میں پہونچتی تھی سیستان کے سرحدی اختلاج میں پہلا شہر تھا۔ وہاں سے یہ شمال کو شہر کرگویہ اور جوین کو گئی۔ اس سے آگے وہ دریائے فرہ کے ساتھ بل کھاتی ہوئی چل فرہ

اور فرہ پہونچی اور پھر دریا کو عبور کرکے شمال مغرب میں سفراز اور ملن تک پہونچی تھی جو خراسان واقع تھے۔ ان کے شمال میں قریب ہی ہرات کا شہر تھا۔ لیکن یہ قافلہ ادھر نہ گیا بلکہ مغرب کی جانب مڑ کر نوشیج جا پہونچا اور وہاں سے شمال مغرب کی طرف ہیر پھیر کے ساتھ "کو سویہ" جوزجان جو صوبہ قوہستان کے علاقہ میں تھے ہوتے ہوئے صوبہ خراسان میں داخل ہوئے اور رفتہ رفتہ جرودہ کو پیچھے چھوڑتے ہوتے ایک روز نیشاپور جا پہنچے جو سلطان سنجر کا دارالسلطنت تھا۔

اس زمانہ میں نیشاپور اپنی گوناگوں قدرتی منظروں اور سرسبز و شاداب باغات کی وجہ سے دمشق صغیر کہلاتا تھا۔ دامن کوہ میں وسیع و مسطح زمین پر نیشاپور کا نقشہ بساط شطرنج کی وضع پر ڈالا گیا تھا۔ یعنی اس کے ہر محلے میں آٹھ آٹھ چوک تھے۔ اس کی آبادی اس قدر بڑھ گئی کہ قلعہ اور بعض بھی اس کا ایک حصہ شمار ہونے لگا۔

نیشاپور کی گلیاں اور بازار بڑے فراخ اور صاف ستھرے تھے یہ شہر بیالیس طویل و عریض شہروں پر مشتمل تھا جن میں بعض شیراز کے نصف شہر کے برابر تھے۔ عام بازاروں کے علاوہ بڑے بڑے پچاس بازار دروازوں پر ختم ہوتے۔

ربعض میں ایک عالیشان مسجد جامع تھی جو عمرو بن لیث الصفار

کی تعمیر کردہ تھی۔ وسیع مسجد چار درجوں میں منقسم تھی۔ اس میں خوشنما محراب دار دالان تھے۔ چھتوں و دیوار رن کی نقاشی و گلکاری پر گلزار کا دھوکا ہوتا تھا۔ اس مسجد کے گیارہ دروازے تھے۔ یہ مسجد معسکر نامی چوک کے متصل تھی۔ اس چوک سے ملا ہوا قصر حکومت تھا۔ اس کے سامنے ایک دوسرا چوک تھا جو میدان ایگزیشن کہلاتا تھا۔ اور کچھ فاصلے پر مجلس (اسمبلی ہال) یہ تینوں عمارتیں رلبہ فرنیخ زمین پر واقع تھیں بشہر کے تمام مکانات میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے کنوئیں تھے۔ اس شہر میں حضرت امام عالم قطب الدین نیشاپوری اور دیگر بزرگان دین کے مزارات مرجع خلائق تھے۔

حکومت خراسان کا صدر مقام ہونے کی وجہ سے نیشاپور سے تمام ممالک کو راستے جاتے تھے اس لئے یہ تجارت کا بڑا بھاری مرکز ہو گیا تھا۔ ہر قسم کا مال الگ الگ بازار سامان تجارت سے بھرے ہوئے تھے۔ انواع و اقسام کی اشیاء سے لدے ہوئے قافلے ہر طرف سے چلے آرہے تھے۔ اس شہر کے تجارت کا ذخیرہ بہت مشہور تھا۔ یہاں کی خاص چیزیں روئی اور کچا ریشم تھیں جو باہر بھیجی جاتی تھیں نیز ریشمی کپڑا مخمل کمخواب (یا بخ) دور کے ملکوں میں جا کر فروخت ہوتا تھا۔ ہر پیشہ فرقہ کے لوگ بکثرت پائے جاتے تھے۔ ملک ملک کے سوداگر جوق در جوق آتے تھے۔ تاجروں کی آمد و رفت سے بازاروں میں خوب رونق اور چہل پہل رہتی تھی۔ مسافروں کی

رہائش کے لئے شہر میں جگہ بجگہ کارواں سرائیں و مسافر خانے تھے۔
حکومت کا صدر مقام اور تجارت منڈی ہونے کے علاوہ نیشاپور علوم و فنون کے لئے بھی خاص شہرت رکھتا تھا۔ طلبا کافی دور سے مسافت طے کر کے تحصیل علوم کے لئے وہاں پہونچے تھے۔ اس کے عظیم الشان مدرسوں کالجوں کی زمانہ میں دھوم تھی۔ خصوصاً نظام الملک طوسی کا جاری کردہ مدرسہ نظامیہ مرجع خلائق بنا ہوا تھا مدارس میں نامی گرامی استاد درس دیتے تھے۔ ان کے ساتھ ہر قسم کے علوم و فنون عجیب و غریب نادر روزگار کتابوں سے بھرے ہوئے کتب خانے و لائبریری بھی تھیں۔ حکومت کی قدر دانیوں سے بلند پایہ علما، فضلا، اہل اللہ و صوفیا، وہاں جمع ہوئے۔ جن میں سے مندرجہ ذیل کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
حضرت محمد بن یحیٰی فقیہ شافعیؒ علم و فضل و متبحر ہونے کی حیثیت سے اس وقت یکتائے عصر تھے۔ اور آپ کے حلقۂ درس میں اطراف عالم کے طلباء جمع تھے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عبد الصمد نیشاپوری اس زمانہ میں بہت بڑے فقیہ عابد و زاہد تھے۔ سلطان سنجر خود ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا۔ امام خشیدی کے نواسے احمد بن حسین کاتب البرکات نرادی بھی اس وقت بقیدِ حیات موجود تھے۔ اور ان کے فیض سے لوگ فیضیاب ہو رہے تھے۔ امام علی صبان اس زمانہ کے مشہور ترین مقرر تھے جن کی تقریر دلائل پر قیمتی

اور دلوں میں اتر جانے والی ہوتی تھی. علاوہ ازیں احمد بن حامد عبدالوہابؒ مقابلہ امام الحرمین مولانا ابو المعالیؒ اور حسین بن عبدالمجید رازیؒ جیسی بزرگ و مقتدر ہستیاں ہزار ہا مخلوقِ خدا کو ظاہری و باطنی علوم سے فائدہ پہنچا رہی تھیں یا برکت اصحاب کے دم قدم سے نیشاپور علم و عرفان کا مرکز بنا ہوا تھا۔ نیشاپور میں بڑے بڑے نامور طبیب موجود تھے۔

بیشمار طبیب و جراح مریضوں کا علاج و معالجہ کرتے اور سینکڑوں خدام ان کی دیکھ بھال اور خبر گیری کرتے تھے. اس میں دور و نزدیک سے مریض بغرض علاج آیا کرتے تھے. اور صحت یاب ہو کر واپس لوٹتے تھے اس بیمارستان میں مسافر و غریب و نادار مریضوں کے لئے دوا کے علاوہ خوراک اور رہائش کا انتظام بھی حکومت کی طرف سے تھا۔

نیشاپور کے ایک کھور کے نیچے سے سرزمین دو نہریں گزرتی تھیں یہ نہریں اکثر اتنی عمیق ہوتی تھیں کہ تقریباً سو سیڑھیاں اتر کر سطح آب تک پہنچتے تھے. لیکن شہر سے باہر ان کا پانی زمین سے ہموار ہوتا تھا. یہاں وہ زمین کو سیراب کرتی تھیں. ان نہروں میں پانی وادی سفار ندی سے آتا تھا جو قریب کے گاؤں بشتنقان سے نکل کر نیشاپور سے قریب کی پہاڑیوں سے چار چشمے تھے جو اسکی غیر معمولی زرخیز زمین کو سیراب کرتے تھے. اور ایک فرسنخ

کے فاصلے پر دریائے نیشاپور موجیں مارتا ہوا بہتا تھا۔ اس کے پانی کی روانی اتنی تیز تھی کہ اس پر ستر پن چکیاں ہر وقت چلتی تھیں۔ ان نہروں اور دریاؤں کے علاوہ بہت سی ندیاں مچلتی اور بل کھاتی ہوئی گرد و نواح کی زمینوں کی پیاس بجھا کر جنوب کی طرف ریگستان میں غائب ہو جاتی تھیں۔

پانچ فرسخ کے فاصلے پر جہاں دریائے نیشاپور کے سرچشمے تھے وہاں پہاڑ کی چوٹی پر ایک جھیل اتنی لمبی چوڑی تھی کہ ایک طرف سے تیر مارا جائے تو دوسرے کنارے پر نہ پہنچتا تھا۔ اور یہ بھی مشہور تھا کہ اس کا اتھاہ نہیں اس جھیل کو چشمۂ سبز کہا جاتا ہے اس میں سے دو ندیاں نکلی تھیں جن میں سے ایک مغرب کو اور دوسری مشرق میں مشہد کو جاتی تھی۔ اس چشمہ سبز کے پاس ہی ہوا کے جھونکے آتے رہتے تھے اور ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ اتنا تیز بہتا تھا کہ اس سے ایک پن چکی چلا کرتی تھی پانی کی افراط سے نیشاپور کی زمین نے سبزہ کا لباس پہن رکھا تھا۔ روئی کی فصل خوب ہوتی تھی اور اناج بھی بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ شہر کے باہر دور دور تک باغات کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا۔ ان کے درخت ہر موسم کے مطابق خوش ذائقہ میووں سے لدے رہتے تھے۔

(۱) النشامات خوبصورت مقامات یہ علاقہ غیر معمولی زرخیز تھا۔
(۲) بستفروش یہ علاقہ نیشاپور سے ایک دن کی مسافت تک پھیلا ہوا

تھا۔ اس کے قریوں کی تعداد ۱۲۶ تھی۔ ان دیہات میں زرا آلود پائے جاتے تھے۔

(۳) مازون یہ علاقہ اور اس کا موضع بستقان شہر سے ایک فرسخ تھا یہاں عمر بن لیث الصفار نے ایک باغ لگایا جو بہت مشہور تھا۔

(۴) ریوند اس علاقہ میں نیشاپور سے ایک مرحلہ کے فاصلہ پر ریوند نام کا ایک دریا بہتا تھا۔ جس کے کنارے پر ریوند نام کا ایک شہر آباد جس میں ایک خوبصورت جامع مسجد بنی ہوئی تھی۔ اس علاقہ کے انگور بڑے مشہور تھے اور یہاں کی پن چکی بڑی مانگ تھی۔ قیاس غالب یہ ہے کہ جب خواجہ غیاث الدین چشتیؒ سیستان سے ہجرت کرکے نیشاپور پہنچے تو انہوں نے اسی علاقہ میں سکونت اختیار کرلی۔ اور حلال روزی کمانے کے لئے غالباً برائے کچھ زمین اور باغات و پن چکی خریدی تاکہ زندگی کے باقی ماندہ دن آرام و عزت سے بسر کرسکیں۔

ساتواں باب

اولادِ آدم شیطان کے دامِ فریب میں

میرا تجربہ ہے کہ اس زندگی میں
پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں

بعض اوقات انسان کا مدعا و منشا کچھ اور ہوتا ہے اور قادر مطلق کی رضا کچھ اور تقدیر و تدبیر کی کشمکش میں پروردگار عالم خفیہ مصلحتیں ہمیشہ تقدیر کا ساتھ دیتی ہیں چنانچہ قدرت اس مسلمہ اصول کی رو سے خواجہ غیاث الدین حسنؒ کی امیدوں کا بھی خون ہو گیا۔ یعنی جس امن و سکون کی تلاش میں آپ گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہو گئے تھے۔ وہ یہاں بھی انقا تھا۔ اور نحوست اس وقت خراساں میں بھی خاک اڑاتی پھر رہی تھی۔ امید و بیم اور خوف و رجا کی حیات میں رعایا کا سفینۂ بحر اضطراب میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ بہادر سلطان عرصہ دراز سے غنیم سے برسر پیکار تھا۔ اور اس کے لشکر کے جانباز ارض و محن کو اپنے خون سے لالہ زار بنا رہے تھے۔

دارالخلافہ سے سلطان کو طویل غیر حاضری سے انتظام ملکی

بگڑ چکا تھا اور ملک فتنہ فساد کا گہوارہ بن چکا تھا۔ ادھر فرقہ قرامطہ و باطینہ کے فدائی جو ملک شاہ کی تلوار اور نظام الملک طوسی کی تدبیر کے تیروں کے خوف سے لومڑیوں کی طرح غاروں میں چھپے ہوئے تھے۔ اب شیر بن کر دھاڑتے اور ڈکارتے پھر رہے تھے ہر ! دیگر مملکت اسلامی ان کی شرانگیزیوں کی آماجگاہ بن گئی تھی ان کے ہتھیار بند گروہ جگہ جگہ کشت و خون کر رہے تھے۔ ان بہائم صفت انسانوں کے ہاتھ سے کسی کا جان و مال و عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ یہ بے اعتبار لوگ مسلح ہو کر لوٹ مار کر کے لوگوں کو ہراساں کرنے اور کفر و ارتداد کے تباہی خیز جراثیم کے لئے گھر سے نکلے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ دین محمدی کی بیخ کنی کر کے آئے صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔ ان واقعات کا خواجہ معین الدین حسنؒ کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ اس دور فتنہ پرور میں خواجہ صاحبؒ کو کن کن مصائب سے دوچار ہونا پڑا ان فرقوں کے مختصر حالات سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔

فرقہ قرامطہ و باطنین اسماعیلی مذہب کی دو شاخیں تھیں اور مذہب اسمٰعیل کی ابتدا اسمٰعیل سے ہوئی جو حضرت امام جعفر صادق کا چھوٹا بیٹا تھا۔ حضرت امام جعفر صادقؒ شیعوں کے چھٹے امام تھے ان کی حیات تک شیعوں میں ایکا رہا۔ لیکن ان کی وفات کے بعد ان کا جتھا ٹوٹ گیا۔ ایک بہت بڑی جماعت نے ان کے چھوٹے بھائی

اسمٰعیل کو امام بنانے پر مصروف تھے چنانچہ وہ اسمٰعیلی کہلائے اسمٰعیلیوں کے عقائد میں رفتہ رفتہ تبدیلیاں ہو گیئں کہ وہ اسلام سے دور جا پڑے ہے

آپ کہتے ہیں کیا ہم کو غیروں نے تباہ
بندہ پرور یہ کہیں اپنوں کا ہی کام نہ ہو

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے قرسطی جماعت اسمٰعیلی مذہب کی کی ایک شاخ تھی اس کی جماعت خواستان کے ایک شخص سے ہوئی جو ۲۷۸ھ کے لگ بھگ کاظمین پہونچا اور کہا کہ مجھے امام مہدی نے جو عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں. لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے اس شخص کے رنگ ڈھنگ نرالے تھے ساری ساری رات نماز پڑھتا تھا. کہیں آنا جانا ہوتا تو بیل پر سوار نکلا اتفاق سے اسے کوفہ کے لوگوں کو اس طرح کھیتی باڑی سے ان کی توجہ ہٹ گئی فصلوں کو نقصان پہونچنے لگا. یہاں تک کہ لگان بھی ادا نہ ہو سکا.

حاکم کوفہ نے جب دیکھا کہ اس کی وجہ سے زراعت اور کسانوں کو نقصان پہونچنے لگا ہے تو اس نے خورستان کو قید کر دیا لیکن وہ بڑا ہوشیار شخص تھا ملات کو حاکم کوفہ کی لونڈی کھانا لیکر اس کے پاس گئی تو اس نے لونڈی کے سامنے اپنی بے گناہی اور مظلومی کا ذکر کچھ اس انداز سے کیا کہ بری

شیشہ میں اتر آئی عورت ذات کا دل ہمیشہ نرم ہوتا ہے. چنانچہ اسے ترس آ گیا. اس نے بڑی ہوشیاری سے حاکم کوفہ کے سرہانے سے قید خانہ کی چابی اٹھا کر خوزستانی کو رہا کر دیا. اور کوٹھری کا دروازہ بند کر کے چابی اپنی جگہ رکھدی. صبح کو جب دروازہ کھولا گیا تو قیدی نہ ملا. لوگوں میں اس بات کا بڑا چرچا ہوا سب نے یہی سمجھا کہ اپنی بزرگی اور کرامت کی وجہ سے نکل گیا ہے اب کیا خلقت بے تحاشا لوٹ پڑی اور ہزاروں آدمی اس کے مرید بن گئے لیکن کوفہ میں اسے جان کا خطرہ تھا. اس لئے وہ شام کو چلا گیا اس شخص کو لوگ قرمط کہتے تھے. اس لئے اس کے پیرو قرمطی کہلائے خلیفہ معتقد کے زمانہ میں اس جماعت کے ایک اور سردار زکرویہ نے سر اٹھایا. ادھر بحرین میں ایک قرمطی سردار نے لوٹ مار کی اور بڑھ کر بصرہ کو گھیر لیا. معتقد نے فوج بھیجی جسے قرمطیوں نے شکست دیکر بھگا دیا. معتقد نے اپنے ایک سپہ سالار کو زکرویہ پر چڑھائی کا حکم دیا لیکن قرمطی اسے ڈھکیلتے ہوئے رفافہ تک جو بغداد کے قریب ہے جا پہنچے. راستہ میں جو جو بستیاں آئیں. آگ لگا دی عورتوں اور بچوں کو سب کو قتل ڈالا پھر رصافہ کی جامع مسجد کو نذر آتش کر کے ملک شام کا راستہ لیا.

ان خونخوار بھیڑیوں نے شام میں بڑی آفت برپا کی خلیفہ

مکتفی کو جب ان کے ظلم و ستم کی خبریں ملیں تو اس نے اپنے ایک غلام کو دس ہزار
سوار دیکر بھیجا۔ اس نے حلب کے قریب پہونچکر ڈیرے ڈالدیئے آدھی
رات کو یکایک شور و غل کی آوازیں سنائی دیں۔ باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے
کہ لشکر گاہ آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہے اور قرمطی لوٹتے مارتے
پھر رہے ہیں۔ جھٹ بھاگ کر حلب میں پناہ لی اور پھاٹک بند کرکے بیٹھ
گیا اس خبر کو سُن کر مکتفی غصّہ سے بیتاب ہو گیا بہ نفس نفیس خود لشکر
لیکر چلا۔ رقہ پہنچ کر رکا اپنے سپہ سالار محمد کو فوج دیکر قرمطیوں کے
مقابلہ میں بھیجا۔ اس معرکہ میں قرمطیوں نے شکست فاش کھائی۔ محمد
نے انھیں چن چن کر قتل کیا۔ ان کا ایک سردار جو اپنے آپ کو امام
کہتا تھا اس نے تین سو آدمیوں کے ساتھ راہ فرار اختیار کی اور ایک
گاؤں میں پہنچے گاؤں والوں کے دلوں میں ان کے مظالم نے پہلے
ہی گھاؤ ڈال رکھے تھے انھوں نے اسے پہچان لیا۔ اور پکڑ کر خلیفہ کے
پاس بھیجدیا۔ خلیفہ نے بغداد لے جاکر انھیں بھی دوسرے قرمطیوں کی
طرح جہنم میں داخل کر دیا۔

اگرچہ اس معرکہ میں قرمطیو کو بہت نقصان پہنچا اور ان کے کئی
نامور سردار مارے گئے۔ پھر بھی یہ فتنہ پوری طرح نہ مٹا۔ قرمطی کبھی
ایک شہر میں فساد اٹھاتے کبھی دوسرے میں جس جگہ ان کا کوئی سردار
بغاوت کا علم بلند کرتا۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں ان کے جھنڈے
تلے جمع ہو جاتے چور اور لٹیرے لوٹ مار کے لالچ میں

ان سے آملتے تھے۔

اس معرکہ کو سال بھر کا ہی عرصہ گذرا تھا کہ قرمطی جو چپکے چپکے کی شاندار تیاریاں کر رہے تھے۔ بڑے زور و شور سے اٹھے ذکرویہ جو اس کا سرچشمہ تھا۔ اور اب تک چھپا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے بیٹے اور جانثاروں کے سوا کسی نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اب اس نے قرمطیوں کے مختلف گروہوں کو جو جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ پیغام بھیجا کہ تمہاری مصیبتیں ختم ہونے والی ہیں۔ فرشتے مجھے بتا گئے ہیں۔ کہ مہدی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے اس لئے جنگ کی تیاریاں پوری طرح کر کے حکم دیا کہ عید قرباں کے دن کوفہ شہر میں چلے جاؤ وہاں کے لوگ تمہارا ساتھ دیں گے۔ اس پیغام سے قرمطیوں کی باسی کڑھی میں ابال آگیا یعنی ان کا جوش پھر تازہ ہو گیا۔ اور وہ عید کے کوفہ میں گھس گئے۔ اور سامنے آیا قتل کر ڈالا۔ لیکن کوفے کے لوگوں نے اس وقت بڑی جوانمردی سے کام لیا۔ سب کے سب ہتھیار باندھ کر مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ قرمطی جان بچا کر بھاگے اور شام کے دیہات پر چھاپے مارنے لگے۔ مکتفی نے اس کے مقابلے پر فوج بھی لیکن قرمطیوں کے جوش کا طوفان اس فوج کو ریلے کی طرح بہا کر لے گیا انھیں دنوں ذکرویہ نقاب چہرے پر ڈالے اپنے حجرے سے باہر نکلا اسے دیکھ کر قرمطیوں کا جوش دس گنا ہو گیا ذکرویہ بصرے اور کوفے کے درمیان ایک جگہ گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ اور حاجیوں کے

قافلے لوٹنے لگے۔ مکتفی نے اپنے ترک جرنیل وصیف کو چڑھائی کا حکم دیا اگرچہ قرمطی بڑی بہادری سے لڑے ذکرویہ اپنی سانڈنی پر سوار ہو کر فوج کے بیچ میں کھڑا سپاہیوں کو لڑتا رہا اور کامیابی کے دعوے کر کے ان کے دل بڑھاتا رہا۔ اس کی سانڈنی جدھر بڑھتی ساری فوج ادھر ہی جھک پڑتی لیکن وصیف نے اکثر کو تلوار کے گھاٹ اتارا جو باقی بچے تھے۔ انہیں گرفتار کر لیا۔ تھوڑے سے قرمطی جو اس معرکہ سے جان بچا کر بھاگ نکلے تھے۔ جنگلوں اور پہاڑوں کی خاک چھانتے پھرتے۔ ذکرویہ نے کاری زخم کھائے تھے۔ اس لئے وہ بغداد پہنچنے سے پہلے مر گیا۔ اور عباسیوں نے ایک خطرناک دشمن سے نجات پائی۔

مکتفی کے جانشین مقتدر کے زمانے میں بحرین قرمطیوں نے پھر لوٹ مار شروع کر دی۔ پہلے کچھ مدت تک حاجیوں کے قافلے لوٹتے رہے پھر ایک دو معرکوں میں خلیفہ کی فوجوں کو شکست دیکر ایسے مغرور ہوئے۔ بغداد پر حملہ کا ارادہ کیا۔ اور دریا کے فرات سے اتر کر انبار سارے علاقے کو پامال کر ڈالا۔ پھر ادھر ہٹے اور مارتے دھاڑتے رقہ پر جا پڑے۔ آخر مقتدر کے سپہ سالار میں سے ایک نے انہیں ایسی شکست دی کہ دُور دُور تک ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ اب قرمطیوں کا ایک لشکر اس طرف بڑھا۔ اور حاجیوں کو لوٹتا مارتا خانہ کعبہ پہنچا کعبہ کا غلاف اتار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جو حاجی مارے گئے تھے۔ ان کی لاشیں چاہ زمزم میں پھینکدیں۔

اور حجر اسود واپس کر دیا۔ مکہ کے لوگوں اور حاجیوں کا بہت سامان و اسباب بھی لٹا دیا۔ اس کے بعد بھی قرمطی کبھی کبھی سر اٹھاتے رہے۔

مذہبی و سیاسی جوڑ توڑ

اسمٰعیل جس نے اسماعیلی مذہب کی بنیاد ڈالی تھی کا پریوتا محمد تھا جو لوگوں میں حبیب کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ بڑا عقلمند اور ہوشیار تھا اس نے جب عباسی حکومت کی ہوا بگڑتے دیکھی تو چپکے چپکے حکومت حاصل کرنے کے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ حمص کے پرانے شہر کے پاس سلیمہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ حبیب نے اسے اپنا مرکز بنایا اور اپنے آدمی چاروں طرف پھیلا دیئے جو لوگوں کو اسمٰعیلی مذہب کے طریقے سکھاتے تھے اسماعیلیوں نے مجوسی مذہب کے بہت سے عقیدے اپنے دین میں شامل کر لئے تھے۔ قرآن کی آیتوں کے ایسے گھڑت معنی بیان کرتے تھے جنھیں سن کر سیدھے سادھے مسلمان حیران رہ جاتے تھے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے علاوہ نیک کام کرنا اور برے کاموں سے بچنا ہے لیکن اسمٰعیلی کہتے ہیں کہ ہمارے لئے صرف امام پر ایمان لے آنا کافی ہے یہ اور اس قسم کی بہت سی باتیں تھیں جن کی وجہ سے یہ لوگ عام مسلمانوں سے الگ تھلگ تھے۔

حبیب کے ساتھیوں میں ایک شخص ابو عبید اللہ تھا بڑا چلتا پرزہ تھا وہ بڑا بلا کا ذہین تھا اسنے دینی کتابوں پر بڑا عبور تھا۔ اس کی باتیں بہت پر اثر ہوتی تھیں۔ حبیب نے اسے کہا کہ افریقہ کی آب و ہوا اسمٰعیلی خیالات کے لئے بہت مناسب ہے۔ اس لئے تم وہاں چلے جاؤ۔ ابو عبید اللہ نے افریقہ کا رخ کیا۔ اور بربری بربری قبیلوں میں اسمٰعیلی مذہب کے خیالات پھیلانے لگا۔ گو وہ بڑا پرہیزگار شخص معلوم ہوتا ہے پھر اس کی باتیں اثر میں ڈوبی ہوئی تھیں اس لئے بہت بربری بربری اس کے معتقد ہو گئے۔ خاص طور پر بربریوں کا ایک قبیلہ کتامہ تو اس پر جان چھڑکتا تھا۔

ابو عبید اللہ ان سے کہا کرتا تھا کہ اب دُنیا کے دُکھ ختم ہونے والے ہیں کیونکہ عنقریب امام مہدی ظہور کریں گے غرض اس طرح کی باتیں سن کر بہت سے بربری بربری جو جان دینے کو کھیل سمجھتے تھے اس کے گرد جمع ہو گئے ان دنوں اغلبی خاندان کی حکومت افریقہ میں تھی اور وہاں کا بادشاہ زیادۃ اللہ عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس عبید اللہ کی سرگرمیوں کی خبریں پہنچیں مگر محفل عشرت کے قہقہوں میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ آخر جب ابو عبید اللہ اپنا جال اچھی طرح پھیلا چکا اور اس کی فتح مند فوج یلغار کرتی ہوئی حکومت کے صدر مقام تک بڑھی تو زیادۃ اللہ خواب غفلت سے چونک کر وقت کے ہاتھ سے نکل چکا تھا

پھر بھی جی داری کے مقابلہ کیا اور شہر شہر کی خاک چھاننے لگا غرض کہ ۲۹۶ھ میں غلبی خاندان کی حکومت مٹ گئی اور اس کے کھنڈرات پر اسمٰعیلیوں نے اپنی حکومت کی دیواریں اٹھائیں۔

اس زمانہ میں حبیب کا انتقال ہو چکا تھا لیکن وہ مرتے وقت اپنے بیٹے عبیداللہ کی کتامہ کو وصیت کر گیا کہ تم میرے جانشین اور مہدی ہو۔

ادھر جب عبیداللہ کتامہ کا دل مٹھی میں کر چکا تو اس نے اپنے آقا زادے کو لکھا کہ تشریف لائیے۔ اور تخت و تاج کو سنبھالئے عبیداللہ مہدی پہنچتے ہی اپنے بھائی ابو القاسم اور چند جاں نثاروں کو ساتھ لے کر چل پڑا ابو عبیداللہ کا بھائی ابو العباس بھی اس کے ساتھ تھا۔ ان سب نے تاجروں کا بھیس بدل کر رکھا تھا کیونکہ راستہ میں جگہ جگہ دشمن گھات میں لگے ہوئے تھے اگرچہ عبیداللہ مہدی کو بلانے میں احتیاط اور راز داری سے کام لیا تھا۔ پھر بھی بات نکل گئی۔ خلیفہ مکتفی نے اپنے ماتحت حاکموں حکم جاری کر دیئے تاکہ اس کے حلئے کا ایک نوجوان جس کا نام عبیداللہ ہے اور جو اپنے آپ کو مہدی کہتا ہے افریقہ جا رہا ہے۔ خبردار نکل جانے نہ پائے لیکن یہ بے وطن جوں توں کر کے بچ نکلے اور مصیبتیں اٹھاتے اور دکھ جھیلتے اور افریقہ کے ساحل پر جا پہنچے طرابلس پہونچ کر ابو العباس اپنے ساتھیوں سے کٹ کر

قیروان کی طرف بڑھا لیکن پکڑا گیا اور قیروان کے حاکم نے اسے گرفتار کر لیا البتہ عبید اللہ اور اس کا بیٹا سرکاری جاسوسوں سے بچ کر کوہ اطلس کے دامنِ کوہ میں جا پہنچے وہاں ایک بربری سردار حکومت کرتا تھا پہلے تو وہ مسافر سمجھ کر بہت اچھی طرح پیش آیا لیکن جب اس کے پاس قیروان کے خطوط پہونچے کہ یہ اشتہاری مجرم ہیں بچ کر نکل جانے دیا تو تمہاری خیر نہیں تو اس نے انھیں قید کر دیا۔ ادھر عبد اللہ کو خبر پہونچی تو بڑی فوج لیکر چلا قیروان پہونچ کر اپنے بھائی کو چھڑایا پھر بڑی بربری سردار کو شکست دے کر عبید اللہ مہدی اور اس کے ساتھیوں کو رہائی دلائی ابو عبید اللہ ان دونوں باپ بیٹوں کے ساتھ بڑی عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا ان کے ہاتھوں کو چوما راستہ میں جو تکلیفیں پیش آئی تھیں ان پر افسوس ظاہر کیا سارے لشکر میں منادی کر دی کہ ملک و مال جس کا ہمیں انتظار تھا آپہونچا۔ پھر عبید اللہ اور اس کے بیٹے کو گھوڑے پر سوار کر کے خود پیادہ پا رکاب تھامے ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے قبیلہ کتامہ کے سردار آ رہے تھے ابو عبید اللہ اونچی آواز سے کہتا جاتا تھا، "لوگوں یہ ہے میرا اور تمہارا آقا" عبید اللہ مہدی نے ۲۹۶ھ میں مسندِ حکومت پر قدم رکھا اور عباسی خلافت کے مقابلہ میں بڑے ٹھاٹھ سے فاطمی دربار آراستہ کیا۔ مختلف شہروں کی حکومت اپنے بھروسہ کے آدمی کے سپرد کی۔ الغرض اس نے سلطنت کا کام اس طرح سنبھالا کہ جو لوگ اسے ناتجربہ کار نوجوان سمجھتے تھے، حیران

رہ گئے اس حسن انتظام سے حکومت کمال عروج پر پہونچ گئی۔

فاطمیوں کو اس بات کا بڑا خیال تھا کہ دربار کے ٹھاٹھ اور شان و شوکت میں عباسیوں سے پیچھے رہ جائیں۔ اسلئے قاہرہ کا شہر بالکل بغداد کے نمونے پر تعمیر کیا اس میں عالیشان عمارتیں سڑکیں بنائیں اور کوچے نکالے گئے خلیفہ کے رہنے کے لئے۔ دو محل تعمیر ہوئے ایک اس شہر مشرق حصّے میں تھا اور دوسرا مغربی حصّہ میں ہر محل میں دس پھاٹک تھے جن کی حفاظت کے لئے پانچسو پیادے اور پانچ سو سوار ہر وقت مقرر تھے۔ ان کے علاوہ کئی محل تھے جو اپنی شان و شوکت اور سامان آرائش کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔

فاطمیوں کا زمانہ علمی چرچوں کے لئے بہت مشہور ہے معزالدین کے زمانہ میں جامع ازہر کے نام سے ایک مدرسہ ہوا جو اب بھی مصر میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ ملک میں جگہ جگہ مدرسے جاری ہوئے جس سے تمام ملک میں علم کا چرچا ہو گیا۔ باوجود ان خوبیوں کے فاطمیوں میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ جو لوگ مذہبی معاملات سے ان کے ہم خیال نہ ہوتے تھے ان پر بہت سختی کرتے تھے۔ فاطمی اسماعیلی شیعہ تھے۔ اس لئے انھیں شیعوں سے سخت دشمنی تھی۔ شیعوں کے دوسرے گروہوں سے بھی ان کا سلوک اچھا نہیں تھا۔ فاطمیوں کی نظریں ہمیشہ ایران و خراساں پر لگی رہتی تھیں کیونکہ ان

ملکوں کے لوگ حضرت علیؓ کے خاندان کے حامی تھے. لیکن ان ممالک پر حملہ کر کے انہیں فتح کرنا بہت مشکل تھا. اس لئے انہوں نے ایران و خراسان پر قبضہ کر لینے کا ایک اور طریقہ اختیار کیا یعنی ان علاقوں میں اپنے مبلغ بھیجنے شروع کئے. وہ چپکے چپکے لوگوں میں اسماعیلی فرقے کے خیالات پھیلاتے رہے اور کہتے تھے کہ ان پر فاطمی خلیفہ کی اشاعت فرض ہے. یہ مبلغ داعی کہلاتے ہیں اور ان کا سردار قاہرہ میں رہتا تھا. ان لوگوں کی کوششوں سے خراسان میں باطنی فرقہ پیدا ہوا جو اصل میں اسماعیلی فرقہ کی ایک شاخ ہے.

الموت کا مداری

بھائی ہیں جب دنیا میں باطل کے بیہودے سے
ہماری سے نفاق انگیزیوں کے باطنی نکلے

باطنیوں نے جو مبلغ ایران و خراسان بھیجے تھے انہیں بڑی کامیابی حاصل ہوئی. رفتہ رفتہ ملکوں میں اسماعیلیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ سلجوقی حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر کے مار دھاڑ کرنے لگے. اصفہان کے آس پاس کے علاقہ میں لوگوں نے بڑا زور پکڑا اور ان کے سردار ابن عطاش نے ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کر لی.

انھیں دنوں ایک شخص جس کا نام حسن بن صباح تھا اسماعیلیوں
کے گروہ میں شامل ہو گیا. وہ بڑا عالم فاضل شخص تھا. اور کچھ
عرصہ تک ابن عطاش کے پاس رہ کر وہ مصر چلا گیا وہاں خلیفہ
مستنصر نے اس کی خاطر کی پھر حسن مصر کی سیر کر کے مصر پہنچا اور خراسان
میں اسماعیلی جماعت بڑھانے کی کوشش کرنے لگا. جب اس
کے اس بھروسہ کے آدمیوں کا اچھا خاصا جتھا ہو گیا تو ماژندران
میں جہاں کسی زمانہ میں بابک نے بڑی آفت برپا کی تھی سلطنت
کی داغ بیل ڈال دی یہ کوہستانی ملک ہے جگہ جگہ ایسے پہاڑ
نظر آتے ہیں. جنھیں دیکھ کر انسانی عقل گم ہو جاتی ہے یہاں پہاڑ
پر پرانے وقتوں کا ایک قلعہ تھا. جسے "الموت" یعنی عقاب کا
آشیانہ کہتے ہیں. حسن بن صباح نے سب سے پہلے اس کو تاکا اور
ایسی چال چلا کہ الموت اور اس کے ارد گرد کے علاقے پر اس کے
نام کی دہائی پھر گئی الموت پر قبضہ کرنے کے بعد حسن بن صباح
کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور قلعہ ایسی جگہ واقع تھا کہ وہاں سے
پتھر لڑھکا کر ہی بڑی بڑی فوجوں کو زخمی کیا جا سکتا تھا. لیکن آب و
ہوا خراب تھی. اس علاقے کے باشندے ہمیشہ مختلف بیماریوں
میں مبتلا رہتے تھے. حسن بن صباح نے یہ نقص دور کرنے کے لئے
قلعہ کے آس پاس درخت لگوائے اور بہت دور سے ایک نہر کا ٹکڑا
وہاں پہنچائی جس کی وجہ سے پانی کی فراوانی ہو گئی. آہستہ آہستہ

یہاں کی آبادی نے بہت ترقی کی اسمٰعیلی فرقہ کے لوگ دور دور سے آکر الموت اور اس کے گرد و نواح میں آباد ہو گئے۔ حسن بن صباح نے عمر بھر الموت سے باہر قدم نکالا۔ یہیں بیٹھے بیٹھے وہ ایران و خراسان کے سارے اسماعیلیوں پر حکومت کرتا تھا۔ اس کے جانباز بیر جو فدائی کہلاتے تھے بھیس بدلے جگہ جگہ پھرتے تھے کہ وہ حکم دیتا تھا قتل کر ڈالتے تھے۔ اس گروہ کو باطنی اس لئے کہتے تھے کہ وہ اپنے خیالات کو دوسرے لوگوں سے چھپاتے تھے۔ ان میں علامتیں اور اشارے مقرر تھے جن کی مدد سے ایک باطنی دوسرے باطنی کو پہچان لیتا تھا۔

باطنیوں کے کئی درجے تھے ایک درجہ تو ہمیوں (مبلغوں) کا تھا جو جگہ بجگہ اسماعیلی خیالات کی تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔ ان داعیوں کا افسر داعی الکبیر کہلاتا تھا۔ داعی نے اپنے مذہب کے تمام بھیدوں سے واقف ہوتے تھے۔ داعی سے اتر کر رفیق کا درجہ تھا۔ اس گروہ کے گروہ کے لوگوں کو موٹے موٹے اصول بتا دیئے جاتے تھے سب سے نچلے درجہ کے باطنی فدائی کہلاتے تھے ان کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ مذہب کے اصول و قواعد کیا ہیں۔ ان کا کام یہ تھا کہ انھیں جو حکم دیا جائے اس پر بے چوں و چرا پوری طرح عمل کیا جائے یہ فدائی پڑھے نڈر اور بیباک ہوتے تھے۔ اور جان دینے کو ہنسی مذاق سمجھتے تھے کہتے ہیں کہ فدائیوں کو بھنگ پلا کر بیہوش کیا جاتا تھا۔ اور پھر انھیں چند رازدار مصاحب اٹھا کر الموت کے قلعہ میں لے جاتے تھے وہاں

ایک دلکش اور پر بہار باغ ہوتا تھا اس میں بہت سی پری جمال عورتیں اپنے
آغوشِ محبت کھولے ہوئے ان کا استقبال کرتی تھیں۔ جب وہ کچھ دادِ عیش
دے چکے تو پھر وہ رشکِ قمر دشمن ہوش و ہواس اپنے پھول پنکھڑیوں
جیسے نازک و سرخ ہونٹوں کو جنبش دیکر جن پر مسکراہٹ کی بجلیاں
تڑپتی تھیں ترنم ریز آواز میں کہتی کہ جنت ہے بعد از مرگ تمہیں ہمیشہ
کے لئے یہاں رہنا ہوگا۔ وعدہ کرو کہ تم جلدی آنے کی کوشش کروگے
ان الفاظ سے وہ حسن کا دیوانہ جس کے دل و دماغ پر اس کی چشم
غزالاں کا جادو چل گیا تھا۔ اور جس کا دل ان کی زلف عنبر ریز کے
جال میں بری طرح پھنس گیا تھا چونک پڑا۔ اور بڑی حیرت سے اس
کافر ادا کے خوبصورت چہرے کو تکنے لگا۔ اس کی نگاہیں اس کے دل
کی ترجمانی کرتی تھیں کہ وہ اس سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ اور بعض اوقات
وفورِ محبت سے آنسوؤں کے قطرے اس کے گالوں پر لڑھکنے لگتے۔ کیونکہ
وہ سمجھتا تھا کہ اب وہ ہمیشہ کے لئے اس عشرت کدہ میں رہے گا۔ چنانچہ
اس کی ان حرکات کو دیکھ کر وہ تلطف آمیز لہجہ میں کہتی تھیں کہ تمہیں
عارضی طور پر دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ وہاں تم حسن بن صباح کے احکام
کی پوری پوری تعمیل کرو اور باطنی دین کی خدمت کرنے میں اپنی جان
فدا کرو۔ پھر جب تم یہاں آؤ گے تو تم ہمیشہ کے لئے مزے سے اس جنت
میں زندگی بسر کروگے اور شراب طہور ملے گا۔ یہ کہہ کر وہ پاس بڑی

بلوریں صراحی سے بھنگ کا ساغر بھر کر دست نازک سے اس کے سامنے پیش کرتی جسے وہ حسن کا دیوانہ غٹاغٹ کر کے پی جاتا۔ اس جام کو چڑھا کر اس پر غنودگی طاری ہو جاتی اس کے بعد اسے وہیں پہنچا دیا جاتا جہاں سے اسے لایا گیا تھا۔

اس واقعہ سے ان بھولے بھالے انسانوں کا شوق تیز ہو جاتا تھا اور وہ ہر وقت مذہب باطنی پر جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تاکہ وہ جلد از جلد اسی جنت میں چلا آئے جس کی ایک جھلک وہ وہ دیکھ آیا ہے۔ اور اسی شوق میں جان جوکھوں میں ڈالنے والے کام کر گذرتا تھا۔ ابتدا میں اسماعیلیوں اور باطنیوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرنے لگا باطنیوں کے مذہب میں اور بھی کئی عقائد شامل ہونے لگے۔ اس لئے سلطان عالموں نے انھیں کافر قرار دیدیا تھا۔ اور ان کا زور توڑنے کے لئے بڑی بڑی تدبیریں کی گئیں مگر الموت کا قلعہ ہمیشہ تباہی سے بچ جاتا۔

نظام الملک طوسی جو ملک شاہ سلجوقی کا وزیر تھا اس کو جب یہ خبریں ملیں کہ حسن بن صباح نے مازندراں میں ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر رکھی تھی تو اس نے حملہ کرنے کے لئے بہت بڑی فوج بھیجی۔ الموت کا قلعہ پر حملہ کر کے اسے فتح کرنا تو بڑا مشکل تھا۔ اس لئے سلجوقی فوج نے اس پہاڑ کو گھیر کر سارے ناکوں پر پہرہ مقرر کر کے ایسا انتظام کیا کہ کسی طرف سے قلعہ والوں کو رسد نہ پہنچنے پائے:

اسی طرح حملہ کر کے اسے موت کی آغوش میں سلا دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی الموت کا محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ اور اسماعیلیوں نے بہت سے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

چند روز بعد ملک شاہ بھی مر گیا اس کے بیٹوں میں خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں آخر تلوار نے سنجر کے حق میں فیصلہ کیا اور قسمت نے بڑھ کر تاج سلطانی اس کے سر پر رکھ دیا۔ مگر وہ تو دنیا میں جنگوں کی مصیبت کے لئے پیدا کیا تھا اس کی رگوں میں خون شجاعت اس لئے بھرا گیا تھا کہ دشمن کے سامنے ڈٹا رہے۔ اور بازو میں قوت اس لئے دی گئی تھی کہ تیغ آزمائی کرتا رہے۔

اس بد امنی کے زمانہ میں قرامطہ و باطنین کو خوب سر اٹھانے کا موقع ملا۔ ان کی فتنہ سازیوں کو روکنے کے لئے کسی کی تلوار میان سے نہ نکلی کیونکہ سلطان ترکمانوں کے سامنے چٹان کی طرح ڈٹا ہوا تھا اس لئے باطنی لوٹریاں جرأت کر کے الموت سے نکلیں اور تمام دنیائے اسلام میں فساد کے شعلے بھڑکا دیئے۔ چنانچہ انھوں نے دین حق کی بے حرمتی اور بیخ کنی کے لئے نہایت شفاکانہ طریقہ اختیار کیا جس سے مسلمانوں کی آنکھوں میں خون کے آنسو آئے مگر کچھ بھی نہ کہہ سکتے تھے۔

آٹھواں باب

خواجہ کی کتاب زندگی کے خونیں اوراق

عجب نہیں کہ بیدار ہونے والا ہو
نئی ادا سے کوئی فتنہ تمار ابھی

خواجہ معین الدین چشتی کا کاروانِ حیات ان ہنگاموں کو دیکھتے ہی دنیائے ہستی کی گیارہ منزلیں طے کر چکا تھا مگر سلطان سنجر عرصہ دراز ابھی تک نہ پلٹا سرحد خراسان سے تلوار کی جھنکار کی آواز آ رہی تھی اور میدان ستیز خوب گرم تھا۔ سلطان بیچارہ کیا کرتا ایک سے نمٹتا تو دوسرا سامنے آ جاتا۔ بھائیوں بھائیوں سے لڑائی کی فرصت ملی تو کرخزی مقابلہ پر اتر آئے۔ اور جنگ کا سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ ختم ہونے کو نہ آتا تھا۔ سلطان نے اس طوفانِ بدتمیزی کو دریائے جیحون کے کنارے روکا اور میدان میں ڈٹا رہا۔

ملک الموت کو ضد ہے کہ میں جاں لے کے ٹلوں
سر بسجدہ مسیحا ہے کہ میری بات رہے

سلجوقی طاقت رفتہ کمزور ہوتی گئی یکایک سلطان نے شکست کھا کر بمشکل جان بچائی اور مدت تک مارا مارا پھرتا رہا۔ جب کوئی مدافعت کرنے والا نہ رہا تو درندہ صفت ترکمان ملک میں گھس آئے وہ جدھر منہ اٹھاتے تھے نحوست ان کے ساتھ ہو لیتی تباہی و بربادی ان کی رفیقِ راہ بن جاتی۔ ان ڈاکوؤں نے بھری بستیاں اجاڑ دیں۔

سلطان نے جب ان لرزہ خیز مظالم کی داستان سنی تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہے

ثابت قدم رہو یا تلاطم کا ساتھ دو یا ساحل کے رُخ تو لا نہ سکوں گا ہوا کو میں

جسے ان کے آباؤ اجداد نے خون بہا کر گلزار بنایا تھا۔ اور جس کے لئے اس نے ساری عمر تلوار ماری تھی جب ویران نظر آیا تو جوشِ غیرت سے اس کا خون کھولنے لگا۔ چنانچہ وفادار ساتھیوں نے قربان گاہِ وطن پر اپنی عزیز جانیں نچھاور کر دیں اور سلطان سنجر داد شجاعت دیتا ہوا گرفتار ہو گیا ہے جاتے ہی اس کے ملک کی صورت بدل گئی۔ انسان نے اپنے آپ کو حیران کر دیا امید کا چراغ جل رہا تھا وہ بھی بادِ تیز نے بجھا دیا۔ اس خبرِ بد سے تمام قلمرو سلطانی میں سنسنی پھیل گئی نیشاپور میں تو کہرام مچ گیا۔

جب فوج بے افسر اور ملک بے شہریار رہ گیا تو وحشی ترکمان بے روک ٹوک خراسان میں داخل ہو گئے۔ رعایا بے یار و مددگار رہ گئی تھی۔ خدا کی مخلوق لٹیروں کے رحم پر تھی مگر ان کے دل رحم سے خالی تھے ڈاکوؤں کے دستِ ستم سے ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ شمال مشرق کی طرف نیشاپور سے بخارا جانے والی سڑک طوس مشہد مقدس کے خوبصورت و پر رونق شہر تھے ان پر بھی انہوں نے مشقِ ستم کی یعنی وہ ان کے ستم رانیوں سے تباہ برباد ہو گئے۔

پھر یہ بلا خیز آندھی نیشاپور کی طرف متوجہ ہوئی اور وہاں قیامت صغرا ہو گئی۔ ان سنگ القلب انسانوں جن کے سینے میں گوشت و خون

کے بنے ہوئے دل نہیں تھے بلکہ پتھر کے ٹکڑے تھے ان کی خون آشام تلوار نے بلا تحقیق عورت، مرد، بچے، بوڑھے، جوان اپاہج اور کمزور سب کو کاٹ کر رکھ دیا ہے

سر مقتل کسی کی تیغ عریاں آج کہتی ہے کہ جوڑا سرخ پہنوں گی نہا کر خون بسمل میں

مظلوموں کی چیخ و پکار کی دردناک آوازیں ہر طرف سے آ رہی تھیں مسجد جس کو خانہ کعبہ کا مقام سمجھتے ہیں بہت سے اشخاص نے ان میں پناہ لی. چنانچہ تیز دھار والے آلات جامع شیعی کے کواڑ چیر کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے. اور اس میں اس قدر خونریزی کی کہ ایک نفس بھی زیادہ نہ بچا. نیشاپور کے مشہور بیمارستان میں بلا امتیاز مریض طبیب جراح اور خدام سب کو شربت فنا پلا کر بیماریوں اور دواؤں سے نجات دلائی غضب کا مقام یہ تھا کہ فرشتہ موت ان کی شمشیر کے اشارے پر بےگناہوں کی جانیں قبض کر رہا تھا ان ظالموں نے نہ صرف عوام کو قتل کیا بلکہ تمام نامور و لاثانی علماء حکما اور صوفیا وغیرہ کو بھی دنیا میں سانس لینے کی اجازت نہ دی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت وقت سے پہلے آ گئی ہے.

پیارے خواجہ نے اس ہولناک حادثات کا بغور مشاہدہ کیا خبر نہیں ان جگر پاش واقعات سے ان کے دل پر کیا کیا خیالات گزرتے ہوں گے کیونکہ خدا نے انہیں غریب نواز بنا کر بھیجا تھا. آپ کی آنکھوں میں زمانہ کی بے ثباتی و عبرت کا ہولناک منظر کھنچ گیا ہوگا.

نواں باب

بحرِ غم کا شناور

اسی مقصد سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے — کرتا ہو جائے لذت آشنا تلخیِ دوراں سے

ان خونفشاں ہنگاموں کا غم دل معصوم سے ابھی مٹنے نہ پایا تھا
کہ رنج و غم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا یعنی حضرت غیاث الدین حسن والد
خواجہ بزرگ کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کیا انا للہ و انا
الیہ راجعون اور ان کا جسم مبارک دروازہ شام کے قریب سپرد
زمین کر دیا گیا کمسن خواجہ کے لئے یہ صدمہ یقیناً ناقابل برداشت تھا۔
آنکھوں میں سے آنسو خشک بھی نہ ہونے پائے تھے کہ مزید پریشانیوں
سے دو چار ہونا پڑا۔ باپ کا کفن میلا بھی نہ ہوا تھا کہ والدہ ماجدہ
بھی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو کر شوہر کے قریب پہونچ گئیں
اس صدمہ جانکاہ سے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اور دل خون
ہو کر رہ گیا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ناچار صبر کیا ؂

آنسوؤں کا ایک خرمن ضبط کے دامن میں ہے — آنکھ ہے محتاج لیکن دانے دانے کیلئے

اس وقت آپ کی عمر کوئی پندرہ سال کی تھی اور اس چھوٹی
سی عمر میں باپ کے سایۂ الفت اور ماں کے آغوشِ محبت سے جدا
جدا ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آپ رنجیدہ خاطر تو پہلے ہی سے

کہ اب طبیعت اچاٹ ہو گئی شاید دل یہ چاہتا ہو گا۔ کہ کہیں نکل جاؤں دولتمند باپ کے ترکہ میں آپ کو صرف ایک باغ اور پن چکی ملی تھی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے کئی اور بھی بہن بھائی تھے مگر اس باب میں سب تذکرے خاموش ہیں و تاریخ نگاروں کے لب پر مہر سکوت لگی ہوئی ہے۔ صرف ایک صاحب نے صرف اتنا لکھا ہے کہ آپ کے دو بھائی اور بھی تھے لڑکپن کے اس زمانہ میں جب کہ بچے مکتب میں پڑھتے اور بے فکری سے کھیلتے کودتے ہیں خواجہ غریب نوازؒ کو داغ یتیمی نصیب ہوا اور کاروبار پن چکی و باغ بانی سنبھالی۔ ابتدا ہی سے آپ کی طبیعت جفاکش و محنتی تھی اب جو ناگہانی مصیبت آئی تو ہمت کر کے بذاتِ خود ہی صفائی کرتے پودوں کی دیکھ بھال کرتے ان کو پانی دیتے کاٹ چھانٹ کرتے کھاد دیتے غرضیکہ ہر ممکن طریقہ سے باغ کے درختوں اور بیلوں کی نگرانی کرتے اور اسی مشغلہ کو ذریعہ معاش بنا کر قوتِ لایموت مہیا کرنے لگے۔

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا　　پڑ گئی ہے میرے اللہ یہ کیسی ایک اور

لیکن خواجہ کے مقدر میں چین سے بیٹھنا نہ لکھا تھا اب پھر ترکستان کے جفاکش انسانوں کے سمندر میں طلاطم کے آثار نمایاں ہونے لگے کیونکہ شجاعت و کامیابی کا نشہ ایسا نہ تھا کہ ترکمانوں کے سر سے جلدی اتر جاتا ان کی تلواروں کو خون کی ایسی چاٹ پڑ گئی تھی کہ میانوں میں ماہی بے آب ہوئی جاتی تھیں ۔

سرِ مقتل کسی کی تیغِ عریاں آج کہتی ہے — کہ جوڑا سُرخ پہنوں گی نہا کر خونِ بسمل

خراساں کی دولت کی کی سنہری روپہلی جھلک کی انہیں دعوتِ خونریزی
دے رہی تھی چنانچہ لوٹ مار و قتل و غارتگری کا شوق آخر رنگ لایا اور وہ
ایک دفعہ قسمت آزمائی کے لئے پھر خراساں پر چڑھ دوڑے۔

خواجہ غیاث الدین حسن رحمؒ کو وفات پائے بمشکل ایک سال گذرا تھا
ترکمانوں کی تلواریں برق بن کر سر و تن جسم و جان کا رشتہ ایک دوسرے
سے جدا کر کے میدانِ حشر کا نقشہ کھینچنے لگی اور خراساں کی زمین خون
شہیداں سے گلرنگ ہو گئی۔ سلطان محمود سلجوقی اپنا لشکر لیکر مقابلہ پر آیا
مگر بری طرح پسپا ہوا نیشاپور کی تباہی بربادی میں اگر کوئی کمی رہ
تھی تو اب پوری ہو گئی ان ڈاکوؤں اور لٹیروں نے بیگناہوں
موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد تمام سیم و زر سمیٹ کر اپنی جھولیاں
بھر لیں اور شہر کو سپردِ آتش کر کے جدھر آئے تھے ادھر کو چلے گئے اور
یہ صدیوں کا آباد شدہ شہر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

میں وہ بستی ہوں کہ یادِ رفتگاں کے بھیس میں، دیکھتے ہی آتی ہے اب میری ویرانی

خواجہ معین الدین چشتیؒ نے کتابِ ہستی کے ان دل خراش صفحا
کا نہایت غور اور صبر و سکون سے مطالعہ کیا اس سے آپ کی طبیعت
اضطراب بڑھتا گیا اور آپ مستقبل کے لئے مفید لائحہ عمل سوچنے لگے
لیکن ہزار کوشش و سعی آپ کسی قطعی فیصلہ پہ نہ پہنچ سکے۔
خدا کی حکمتوں اور مصلحتوں کو ہم نہیں سمجھ سکتے تاہم مشاہدات

پر قیاس آرائی کرنے کا ہر شخص کو حق ہے اس زمانہ کے سیاسی حالات کو انسان اس نتیجہ پر پہونچتا ہے۔ کہ ان کی تہ میں مشیتِ ایزدی کا منشا [illegible] معلوم ہوتا ہے خواجہ صاحبؒ پر دنیا کی بے ثباتی کی حقیقت عیاں ہو جائے۔

تیری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو کہ قدرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی

چنانچہ اتالیقِ قدرت نے آپ کو تربیت دینے کے لئے کتابِ عبرت کھول کر تمام ضروری اور کار آمد اسباق ذہن نشین کر دیے تاکہ مظلوموں اور بیکسوں کی دستگیری کر کے آپ صحیح معنوں میں غریب نوازؒ بن سکیں نیز راہِ خدا سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو اسلام کے صحیح اصولوں پر کاربند کر دیں۔ دنیا جانتی ہے کہ قدرت کا یہ مقصد کہاں تک پورا ہوا۔

دسواں باب

تائیدِ غیبی کی کرشمہ سازی

جس آزمائش میں پڑنے والے حیاتِ جاوید پا چکے ہیں
اس امتحاں کیلئے گیا ہے ترے خدا نے پسند تجھ کو

خواجہ معین الدین حسن کی لبیں اب ذرا بھیگنے لگی تھیں یعنی خط آنے کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ لڑکپن کے تجربہ نے آپ کو سنجیدہ مزاج

اور پختہ بنا دیا تھا۔ لمحاتِ فرصت میں وہ اکثر سر جھکائے ہوئے بحرِ خیالات میں غوطہ زن رہا کرتے اور تدبیر کے موتیوں کو تصور کی انگلیوں سے رولتے۔ اسوقت دنیا کی بے ثباتی کی تصویرِ عبرت بن کر سامنے آجاتی تھی گزشتہ جگر پاش اور لرزہ خیز واقعات سے وہ حد درجہ متاثر تھے آپ کا دل دنیائے ناپائیدار سے بیزار ہو چکا تھا۔ آپ کی حقیقت شناس نگاہیں کسی ایسے راستہ کی تلاش میں تھیں جو بندے کو خدا سے ملا دیتا ہے۔ آپ کی امنگیں دل و دماغ سے ٹکرا کر غائب ہو جایا کرتی تھیں حتیٰ کہ آپ سوچتے سوچتے گھبرانے لگتے اور دنیائے فانی میں گم ہو کر راہ مسافر کی طرح بھٹک کر رہ جاتا آپ کے خیالات پریشان کبک دری کی طرح ٹھوکریں کھاتے تھے۔

باندھ کر روزِ ازل شیرازۂ موت و حیات ۔۔۔ سونپ دی گویا دو عالم کی پریشانی مجھے

آخر ایک روز قسمت کا ستارہ چمکا خدائے صورت مجذوب میں آپ کی رہنمائی کی یعنی ایک دن حسب معمول آپ درختوں کو پانی دے رہے تھے۔ کہ خوش قسمتی سے شیخ ابراہیم قندوزی کہیں سے پھرتے پھراتے اس باغ کی طرف آنکلے جس کی باغبانی کے فرائض ہمارے خواجہ ادا کیا کرتے تھے۔ نوعمر باغبان کے فرائض دینے والے کی جو نگاہ اس خدا شناس مجذوب پر پڑی تو سب کام کاج چھوڑ کر ادھر متوجہ ہوئے آگے بڑھ کر خوش آمدید کہا اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیکر نہایت احترام سے ایک سایہ دار درخت کی گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں میں

لاکر بٹھا دیا۔

ان دنوں انگور کا موسم تھا۔ سانپ کی طرح بل کھا کر بے ترتیب پھیلی ہوئی ہری ہری بیلوں کے ساتھ انگور خوشنما گچھے لٹک رہے تھے وہ اس طرح معلوم ہوتے تھے کہ گویا ملائکہ خواجہ معین الدین حسن کے نوش جاں فرمانے کے لئے شراب طہور کے ساغر ان بیلوں کے سپرد کر گئے اور اس امانت کو باادب لئے کھڑے ہیں مطربان چمن للچائی ہوئی نظروں سے ان کو تک رہے ہیں اور تو کوئی سامان تواضع اس وقت موجود نہ تھا۔ عقیدتمند مالی خواجہ صاحب لپک کر پکے ہوئے خوش ذائقہ شیریں انگور کا ایک خوشہ توڑ کر ان مجذوب کی خدمت میں پیش کیا۔ اور بڑے ادب سے دو زانوں ہو کر ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

اللہ والے مجذوب کو آپ کی پیش کش کا اندازہ بھلا معلوم ہوا اور وہ آپ کی پر خلوص خاطرداری وادب وسلیقہ کی ادا سے از حد مسرور ہوئے صاحب نظر تو تھے ہی فوراً تاڑ لیا۔ ہونہار بچہ راہِ حق کا متلاشی ہے چنانچہ اس حقیقت میں دیوانے نے۱ جوشِ مسرت سے

---

۱ شیخ ابراہیم قندوزی اس بستی میں رہتے تھے جہاں خواجہ صاحب رہائش رکھتے تھے وہ خدا کے عشق میں اتنے ڈوبے ہوئے تھے کہ ان پر جوش وحدت و عشق حقیقی کے جذبات کی وجہ سے اکثر حالت خود فراموشی طاری رہتی تھی جس سے آبادی کے تمام بچے بوڑھے بعض مجذوب کہتے تھے۔ اور بعض عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے

بیتاب ہو کر اپنی جیب سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا دندانِ مبارک میں چبایا اور خواجہ غریب نوازؒ کے دہن مبارک میں ڈال دیا۔ کھلی کا وہ ٹکڑا گویا شرابِ معرفت کا پُرکیف جام تھا۔ جس کے پیتے ہی خودی کے تمام پردے ہٹ گئے اور آپ عالم باطن کی سیر کرنے لگے

کونین کی وسعت پہ چھاتا ہوں پیتے ہی ساقی تیری نظروں کے پلانے کو کیا کہیے

اللہ اللہ کھلی کا وہ بظاہر بے حقیقت ٹکڑا اپنے اندر کون و مکاں کے اسرار لئے ہوئے تھا اس کا حلق سے اترنا تھا کہ آپ روحانیت کی دنیا میں پہنچ گئے۔ آنکھوں میں نور ہی نور چھا گیا تعینات کے حجابات سامنے سے اٹھ گئے ہوش حیرت قلب پر طاری ہو گیا نرگس کی آنکھ کھلی کی کھلی رہ گئی خدا جانے کب تک آپ اس حالتِ خود فراموشی میں رہے شیخ ابراہیم قندوزیؒ جیسے آئے تھے ویسے ہی جدھر منہ اٹھا کر چل دیئے

جلوہ دکھا کے چھپ گیا وہ شوخ ادا ہمیں، وقتِ نزع مسجد بت خانہ کر گیا

لیکن ہمارے خواجہ صاحبؒ نے جو جلوہ دیکھا وہ ایسا نہیں تھا کہ اسے فراموش کیا جا سکتا وہ اسے بار بار دیکھنے کے متمنی تھے جب ذرا ہوش آیا تو اپنے گردوپیش کے حالات پر غور کیا گزشتہ واقعات سے آپ کا دل پہلے ہی بہت متاثر تھا۔ کہ اب اور جلتی پر تیل پڑ گیا۔ دل قابو میں نہ رہا آپ بچپن ہی سے صابر اور متحمل مزاج تھے۔ طبیعت پر جبر کر کے دامن صبر و قرار ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

ضبط خودداریوں سے باز رکھا و نہیں دیکھتا سو سِلی مجھے سینا مجھے جلوہ مجھے
صبر کی کوئی انتہا ہوتی ہے عشق میں صبر نہایت دشوار گزار ہوتا ہے
آخر رہا نہ گیا۔ دیوانگی حد سے بڑھنے لگی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ باغ کے
پودے کاٹنے کو دوڑتے ہیں دنیا ناچیز دکھائی دینے لگی۔ اور دولت دنیا
حقیر نظر آنے لگی۔

خواجہ غریب نوازؒ جو باغِ رسالت کی باغبانی کرنے چمنِ اسلام کو پانی
دینے شجر توحید کو درخت شرک سے پیوند لگا کر اس کے پھول اور پتی میں
ایمان کا رنگ دبوا و رکفر او تذاد کی کاٹ چھانٹ کرکے بھار دانگ عالم
میں اپنی روحانیت کا سکہ بٹھانے کے لئے پیدا کئے گئے تھے اور بھلا
اس متاع حقیر کو جو ایک باغ اور پن چکّی پر مشتمل تھا کب خاطر میں
للتے تھے۔ چنانچہ باغ کو فروخت کر دیا اور پن چکی کو بھی بیچ ڈالا اور
جو نقد و جنس پاس موجود تھا راہ خدا میں فقرا و مساکین میں تقسیم کردیا۔

نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے میری ہمت نے مجھے

اور خود معمولی اور ضروری رختِ سفر باندھا اور دوست احباب
اعزاء اقارب کی محبت اور تعلقات کو بالائے طاق رکھ کر وطنِ عزیز کو
خیرباد کہا۔

رسن کو توڑ کر کے بھاگے ہیں قیدیانِ وطن دیا تلاش میں نکلی گر پتہ

اکتاب اجمیر حصّہ اول ختم شد

آفتاب احمر

حصّہ دویم

پہلا باب

اللہ کا دیوانہ دشتِ غربت میں

ٹھہر سکا نہ ہوائے چمن میں خیمۂ گل　　یہی ہے فصلِ بہاری یہی ہے بادِ مراد

خدا کی راہ میں نکلنے والا مسافر خواجہ معین الدین حسنؒ خلائق دنیا کی زنجیریں توڑ کر بھاگا۔ آخر تصور کا مصورؐ خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور دشوار گزار راستوں لق و دق صحراؤں، بے آب و گیاہ میدانوں دیو قامت پہاڑوں کی ہیبت صورتوں اور پیچیدہ راہوں۔ ناقابل عبور دریاؤں اور سب سے بڑھ کر غارِ سرِ راہ کی پاؤں کے چھالوں سے چھیڑ چھاڑ کے دل آزار مناظر سب ایک ایک کر کے دکھائے تاکہ مے توحید کے متوالے دل میں خوف و ہراس پیدا ہو جائے اور وہ چشمۂ معرفت میں نہا نہ سکے۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ ہو جائے

باوجود اسکے ہمت کے پکے لو عمر باغباں کی جبین استقلال پر بل تک نہ پڑا اور وہ مست جوانِ عشق کی وادی کو طے کر نیکی ڈھونے میں قدم بڑھاتے بے کھٹکے چلا گیا۔ سنجر سے ہجرت کے زمانہ میں اگرچہ خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے باپ کے مفرد تکلیف اور رماں کے رنج و راحت بھی برابر

ے شریک تھے تاہم اس کمسنی کے عالم میں والدین کا سایۂ رحمت و محبت سر پر تھا اس لئے آپ کو بذاتِ خود حوادثِ زمانہ سے دوچار نہ ہونا پڑا تھا لیکن اب جبکہ انھوں نے تعلقاتِ دنیاوی سے منہ موڑ کر خانۂ گور جا بسایا تھا اور غریب نواز جو باپ کی آنکھوں سے دور اور ماں کے آغوشِ محبت سے جدا نہ ہوئے تھے۔ اب بے سر و سامان اور تن تنہا دشتِ غربت میں گامزن تھے۔

خبر نہیں آپ کو کوئی قافلہ بھی ملا یا نہیں۔ لیکن عاشقِ خدا کب اس بات کی پرواہ کرتے ہیں دولتِ دنیا پر تو پہلے ہی لات مار آئے تھے اب صرف جان پاس تھی سو اسے بھی راہِ خدا میں نثار کرنے کی تمنا دل میں لئے بیٹھے تھے اس لئے وہ مصائبِ دنیا کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بخوف خطر قدم بر داشتہ چلے جا رہے تھے۔ جنگل آبادی اور ویرانہ میں جہاں کہیں رات پڑتی تھی آپ بعد از فراغتِ نماز و عبادتِ الٰہی سرِ راہ پڑ کر سو رہتے اور اگلی صبح پھر گرمِ سفر ہو جایا کرتے تھے۔ اگرچہ بظاہر کوئی رفیق و ہمدم آپ کا ہم سفر نہ تھا لیکن زمانہ جانتا ہے کہ عشق راہبر بن کر آپ کے ساتھ تھا محبت اور تقویٰ و وفا بن کر کنیزوں کی طرح ہمراہ تھی اور غبارِ راہ حق رفاقت ادا کر رہا تھا۔ چنانچہ خواجہ غریب نواز نے بھی اپنے مطلوب تک پہنچنے کیلئے یہ راہ اختیار کی اس زمانہ میں اسلامی علوم و فنون کا گھر گھر چرچا تھا شہر میں کالج تھے جن میں لائق اور تجربہ کار اساتذہ طلبا کو علم کے زیور سے آراستہ کرتے تھے مغرب کی جانب بغداد و مصر اور قرطبہ

میں بڑے بڑے دارالعلوم یونیورسٹیاں قائم تھے جن میں ہزارہا طلبار فیض علمی حاصل کرکے نکلتے تھے مشرق میں نیشاپور کے کلیج مشہور تھے مگر وہ اس زمانہ کی دست برد سے تاراج ہو چکا تھا۔ اب لے دیکر ترک کی سرحد پر سمرقند و بخارا ایسے شہر تھے جن کے عظیم الشان کالج عالمی شہرت کے مالک تھے اور مشرق و مغرب کے طلبار وہاں علم کی دولت سے مالامال ہونے کے لئے آتے تھے اس لئے غریب نواز بھی اسی شاہراہ پر چل رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ نے تحصیل علم و فن کے لئے بخارا سمرقند کو انتخاب کیا تھا۔ الغرض غریب نواز بخارا میں پہونچکر تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔

دوسرا باب

تکمیل علوم ظاہری

خواجہ معین الدین حسن کی زندگی کا آغاز مصائب و آلام سے ہوا تھا۔ جن میں شب و روز اضافہ ہوتا گیا۔ ایسے تکلیف دہ حالات میں جب کے دل بے چین اور دماغ پریشان ہو رہا ہو۔ بچوں کا پڑھنا پڑھانا قدرے دشوار تھا تاہم روزانہ کاروبار اور دیگر ضروریات زندگی کی طرح مکتب بھی کھلے رہتے تھے اور ان میں درس و تدریس

کا سلسلہ جاری تھا بایں ہمہ حضورؒ کی صغیر سنی کی تعلیم کے متعلق کسی سوانح نگار نے اپنے قلم جنبش نہیں دی۔ مرکز علوم وفنون نیشاپور کی ہمسائیگی میں بسنے سادات خراسان کے ایک مقتدر خاندان سے تعلق رکھنے اور عارف کامل، صاحب فضل وکمال باپ کی گود میں پرورش پانے والے خواجہؒ بھلا کیونکر ان پڑھ رہ سکتے تھے۔ جہاں تک حالات کے سیاق وسباق سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ قیاس یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے حضور غریب نوازؒ نے اپنے باپ کے سایۂ الفت و محبت میں اگر زیادہ نہیں تو علوم مروجہ کی ابتدائی کتب اور قرآن مجید ضرور پڑھ لیا ہوگا اور کلام اللہ کے کچھ حصص بھی نہیں حفظ کر لیے ہوں بہر حال، بخارا پہنچنے سے آپ نوشت وخواند سے بخوبی واقف تھے۔ راہ حقیقت ومعرفت کا متلاشی اور خدا کے نور کا یہ پروانہ علم کی ہر ایک شمع پر پہنچا تاکہ ان کی روشنی کی مشعلِ راہ بنا کر منزلِ مقصود پر باآسانی پہنچ جائے یعنی آپ بخارا کے تمام علماء فضلا کے درسوں میں شریک ہو کر علوم وفنون کے موتی چنتے رہیں اور ان مدرسین میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر حضرت حسام الدین بخاری ہیں جنہوں نے حضرت خواجہؒ کو جبۂ علوم دینیہ پہنایا اور بسر پر دستارِ فضیلت رکھ کر اس قابل کو ایسی جلا دی کہ آپ دنیا کی مشہور ترین ہستیوں میں شمار ہونے لگے۔

میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہر شناس کر　　میں صدف تو میرے ہاتھ میں گوہر کی آبرو

مولانا حسام الدینؒ متبحر عالم تھے۔ ان کی درسگاہ اطراف عالم کے طلباء کا مرجع بنی ہوئی تھی الغرض بعد از تحصیل و تکمیل علوم دینیہ خواجہ غریب نوازؒ حضرت مولانا سے رخصت ہو کر سمرقند کے راستہ پر ہولئے کیونکہ سمرقند میں بھی بڑے بڑے کالج قائم تھے جن میں نامی گرامی علماء درس دیا کرتے تھے۔ خواجہ صاحبؒ نے سمرقند کے ایک ایک مدرسے میں پہونچکر قسم قسم کے علوم دینیہ کی کتابیں پڑھیں سمرقند بخارا قیام کے دوران میں آپ نے قرآن مجید حفظ کرنے کے علاوہ حدیث فقہ تفسیر صرف و نحو دیگر دینی و عقلی میں دستگاہ کامل بہم پہنچائی تھی

تیسرا باب

خواجہ چشمۂ معرفت کے کنارے پر

متاعِ دینؒ دنیا لٹ گئی اللہ والوں کی یہ کس کافر ادا کا جلوۂ خونریز ہے ...

شیخ ابراہیم قندوزیؒ نے جب اس یتیم و نادار نوجوان خواجہ معین الدین چشتیؒ کو اس ہمہ صفت موصوف محبوب کی ایک جھلک دکھائی تھی اس روز سے آپ آوارۂ کوئے محبت ہو گئے۔

جمالِ یار کا جلوہ دیکھنے کی تمنائیں دل میں لئے برسہا برس مارے مارے پھرے سفر کی صعوبتیں اٹھائیں سمرقند بخارا پہونچے۔ ان مقامات میں آپ نے اس محبوبِ حقیقی کے کلام پاک قرآن مجید حسن الفاظ

اس دلنواز کے حسن و جمال کی ہزاروں دلفریب اداؤں کا مرقع یعنی بالتفسیر پڑھا اور ساتھ ہی ساتھ خدا کے اس پیغام لانے والے رحمتہ العالمین پیغمبرؐ کے ارشادات عالیہ کو بغور مطالعہ فرمایا تاکہ محبوب کو پہچاننے میں آسانی ہو جائے اور خدا اس کے پیارے رسولؐ کے احکام عالیہ پر بہ دل و جان عمل پیرا ہو سکیں یعنی آپ نے بخارا سمرقند میں رہ کر قرآن مجید حدیث اور علوم دینیہ کے امتحانات دیگر لوازمات و متعلقات میں اس قدر دسترس پہنچائی کہ لاریب آپ ایک متبحر اور بلند عالم و فاضل تھے۔ علوم ظاہری کی تکمیل سے صفائی قلب کا تزکیہ نفس کا سامان ضروری بہم پہنچ گیا۔ لیکن دل جس تسکین کا متلاشی تھا وہ نصیب نہ ہوئی جس محبوب کو دل بھر کے دیکھنے کی آرزو دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ اس تک ابھی رسائی نہ ہوئی تھی۔

خواجہ معین الدین حسنؒ کے دل کی لگی ایسی نہ تھی کہ چھپ سکتی عشق کی آگ تن من کو جلا رہی تھی اور تعلیم کی ہوا نے اس آگ کے شعلوں کو اور بھی تیز کر دیا جوں جوں محبت کی چاشنی بڑھتی گئی جذبات عشق بھڑکتے رہے۔ خیال رہ رہ کر دل میں چٹکیاں لیتا تھا کہ کاش جو کچھ کتابوں میں پڑھا اور علماء کے درسوں میں سنا ہے وہ مشاہدہ میں بھی آجائے آخر اضطراب جنوں کی حد تک پہنچ گیا ایک دن آپ نے رخت سفر اٹھایا سمرقند کے در و دیوار پر آخری نظر

ڈالی اور اللہ کا نام لیکر ارضِ مغرب کی جانب روانہ ہوئے

اٹھو صنم کدے والوں تلاش لازم ہے ادھر ہی ٹوٹ پڑیں گے اگر خدا نہ ملا

سرزمین مغرب غار فانِ باللہ کے مزارات مقدسہ سے بھری ہوئی تھی قدم قدم پر ان کے فیض کے چشمے جاری تھے۔

سمرقند سے ایک راستہ جنوب کی طرف بلخ کو جاتا تھا بلخ سے وہ راہ مغرب کی طرف مرو اور مرو سے ایک راستہ جنوب مغرب میں ہرات سے ہوکر نیشاپور جاتا تھا۔ اور دوسرا شمال مغرب کی طرف نسورد مشرق سے ہوکر پہنچتا تھا۔ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ خواجہ صاحبؒ ان میں کونسا راستہ اختیار کیا لیکن خیال غالب ہے کہ انہوں نے اب بلخ کا راستہ اختیار کیا ہوگا۔ بہر حال آپ دشت و جبل اور کوہ و بیاباں کو طے کرتے اور شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ کسی اللہ والے کو دیکھتے پھرتے لیکن اس تمام سفر میں کوئی ایسا صاحب کشف و کرامات ولی اللہ نہ ملا جو خضر راہ بن کر اپنی روحانی قوت کے بل بوتے پر حضور کو محبوب حقیقی تک پہنچا دیتا مگر اس سے آپ افسردہ دل نہ ہوئے بلکہ اپنے صبر و استقلال کی آزمائش و امتحان سمجھ کر مرشد کامل کی تلاش میں متواتر بہم چلتے رہے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

شرابِ معرفت کا یہ پیاسا چشمۂ حقیقت کی تلاش و تجسس

ہیں اب زیادہ تیزی سے قدم بر داشتہ چلا جا رہا تھا. راہ میں نیشاپور چلا جا رہا تھا آیا اللہ رے ذوقِ محبت میں چور ہو کر اپنی دُھن میں سیدھے نکل گئے. آپ کی رفتار سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی باطنی کشش آپ کو کھینچ کر لئے جا رہی ہے ابھی نیشاپور سے کچھ دور ہی گئے تھے کہ قصبۂ ہارون آگیا.

چوتھا باب

خواجۂ مرشد کامل کے حضور میں

رہنے دے جام جم مجھے انجام جم سنا کھل جائے جس سے آنکھ وہ افسانہ چاہئے

ہارون ایک معمولی سا قصبہ تھا جس کی جغرافیائی حیثیت سے کسی گنتی میں شمار نہ تھا لیکن اللہ کی قدرت دیکھو ذرہ کو آفتاب ہوتا اس کو کہتے ہیں کہ وہاں اس وقت قطبیت کا مہر منور ضوفشاں تھا اسی سبب سے ہارون کی زبان پہ آسمان کا دھوکا ہو رہا تھا اور فرشتے اس مقدس سرزمین پر رحمت کے پھولوں کی بارش کر رہے تھے یعنی اس امام میں وہاں حضرت شیخ عثمانی ہارونی مشائخ کبار میں شمار رہتے. آپ چشمۂ ہدایت کے مبلغ دمنتہا علم و عرفان کے فیض رساں عالم اور رموز باطنی اور مکاشفات روحانی کے سبب سے

بڑے عالم تھے آپ کی نگاہ کیمیا اثر خام کو کندن بنا دیتی تھی. اس لئے آپ کی بزرگی کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور لوگ گروہ در گروہ حاضر خدمت ہو کر گوہر ہائے مراد سے جھولیا بھر بھر کر لے جاتے

خواجہ معین الدین حسنؒ دور سے سفر کرتے ہوئے ہارون پہنچے تو آپ کے روئے مبارک گردِ راہ سے غازہ ملا ہوا تھا. آپ کا لباس غبار میں اٹا ہوا تھا آپ تھکے ہارے مسافر کی حیثیت سے ہارون میں داخل ہوئے ہارون اس وقت انوارِ روحانی کی تجلیات کا مرکز تھا جذبہ دل آپ کو کشاں کشاں اس کے کنارے تک لے گیا ے

حیف ہے کہ اب بھی پیاسے لوٹیں قسمت کے ولی
ہم کھڑے ہیں چشمۂ آبِ بقا کے سلئے

اس چشمۂ آبِ بقا کو دیکھ کر آپ کو انتہائی خوشی ہوئی ہوگی جس طرح کہ ایک بھوکے کو روٹی پیاسے کو پانی. اندھے کو آنکھیں مفلس کو دولت اور عاشق مہجور کو محبوب کے وعدۂ وصل کی خوشی ہوتی ہے بالکل اسی طرح حضرت خواجہ مسرت و انبساط کی دنیا میں بس رہے تھے. خواجہ معین الدین حسنؒ ہزار بیقرار سہی لیکن متانت اور سنجیدگی آپ کا ذاتی جوہر تھا صبر و استقلال کا مادہ آپ میں بدرجۂ غایت موجود تھا. اس لئے آپ کی کتاب رخ سے خوشی و پریشانی کا اندازہ لگانا دشوار امر تھا. چنانچہ آپ نے بے صبری سے کام نہ لیا بلکہ نہایت اطمینان سے دیکھا ے

گدائے میکدہ کی شانِ بے نیازی دیکھ
پہنچ کے چشمۂ حیواں پر توڑ تا ہے سبو

الغرض حضور غریب نوازؒ نے اس چشمۂ آبِ بقا کو بغور دیکھا بھالا اور نہایت ٹھنڈے دل سے اس کا مطالعہ کیا اس کی ایک ایک حرکت کو صداقت کی کسوٹی پر پرکھا اور اپنے گذشتہ تجربات کی روشنی میں اُسے آزما کر دیکھا تو اس میں وہ تمام خوبیاں نظر آئیں جو کسی برگزیدہ ہستی میں ہونا ضروری ہیں۔ اس چشمۂ صافی کی موجوں میں اس نور کی جھلک نمایاں تھی جسے آپ مجذوب کی کرامت میں دیکھ چکے ہیں اور جس کو آپ جنگلوں ویرانوں اور آبادیوں میں جگہ جگہ ڈھونڈتے پھرتے تھے چنانچہ اس کے مصفا و پاکیزہ پانی پر تسنیم و سلسبیل کا شبہ ہو اس کا ذائقہ آبِ زمزم سے ملتا جلتا تھا۔ ایسے ساقیٔ کوثر سے قریبی نسبت ہی نہ تھی بلکہ ساقی گری کا دلکش انداز بھی محبوبِ خدا کے طفیل تھا۔ سب جام و سبو بھی خمخانۂ یثرب کی مٹی سے تیار ہو کر آئے تھے ؎

کوزہ بھی کوزہ گر بھی ہے گل کوزہ بھی ہے
بس اس پر ختم ان کی لن ترانی ہو گئی

اتنے میں ساقی کو بھی مخمور نگاہیں اٹھیں اور خواجہ معین الدین حسنؒ سے جو اس وقت اجنبی کی حیثیت میں تھے چار ہو گئیں اس وقت کی پرلطف کیفیت تو طالب و مطلوب ہی جانتے ہیں تاہم اتنا ضروری

ہے کہ دل نے دل سے راہ نکالی آنکھوں نے آنکھوں کا پیغام سنایا ہے

عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں ۔ یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر

وہ صاحب کمال ساقی پرلے درجہ کے قیافہ شناس تھے نہیں نہیں آپ عشق الٰہی میں فنا ہو کر اس قدر بلند مقام پر پہنچ چکے تھے کہ آپ کی نورانی آنکھیں جام جہاں نما کا کام دیتی تھیں اور کشف و کرامات کے ذریعہ ہر شخص کا حالِ دل جان لیتے تھے چنانچہ حضور نے خواجہ معین الدین کے دل میں پلنے والے پاکیزہ خیالات کو بھی جان لیا اور آپ کی خواہشات کا اندازہ لگا لیا کہ زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں ے

اُڑے بارود کی مانند اور خود لے اڑے مجھکو

مرا پیمانہ ساقی اس شراب تیز سے بھر دے

اور جب حرفِ تمنا حضرت خواجہؒ کی زبان پر آیا تو فوراً شراب معرفت سے لبریز جام آپ کو پلایا. جس کے پیتے ہی شیشۂ دل کا زنگ اتر گیا اور حجاب غفلت سامنے دکھائی دینے لگا. لیکن دل کی لگی ایسی نہ تھی کہ اسی ایک جام سے بجھ جاتی بلکہ آپ کی حالت تو یہ کہہ رہی تھی ے

نہ ڈر اس سے کہ ہوگا دوسرا ساغر خمار آور ۔ لے اک اور صہبائے جنوں انگیز سے بھر دے

دلوں پر سحر چشم نرگسیں کے ڈالکر ڈورے ۔ مشام جاں کسی کی زلفِ عنبر بیز سے بھر دے

چنانچہ اس صاحب الطاف عمیم نے دوسرا ساغر بھی بھر کر دیا تو تحت الثریٰ تک تمام پردے اٹھ گئے اور حضرت خواجہؒ کی تشنگی ابھی باقی تھی جب تیسرا پیالہ بھر دیا گیا تو ہر ذرہ ہزار عالم کا نقشہ پیش نظر تھا مختصر یہ کہ

غریب نوازؒ جب ہارون پہنچے تو وہاں لوگوں کو حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ سے مادی اور روحانی سے فیضیاب ہوتے ہوئے دیکھا کچھ عرصہ تک تو آپ کے کمالات ظاہری و باطنی کو ملاحظہ فرماتے رہے آپ نے حضرت عثمان ہارونی کی ذات بابرکات ایسی کرامات مکاشفات اور خوبیاں دیکھیں جو اس سے قبل آپ کا زمانہ شناس نگاہوں نے کسی بزرگ میں نہیں پائی جاتی تھیں جس سے آپ اس نتیجہ پر پہونچے کہ ایسے باطن و خدا رسیدہ بزرگ کا مرید ہو جانا چاہیئے۔

ایک دن دریائے عقیدت نے بڑا جوش مارا اور آپ نہایت ادب و تعظیم سے حضرت شیخ کے پاس گئے زمین ادب کو بوسہ دیا بڑے انکسار سے التجا کی حضور اس نیاز کیش کو بھی اپنے باخلوص مریدوں میں شامل کر لیں شیخ صاحب موصوف نے اپنے نظر کیمیا اثر سے تاڑ لیا کہ یہ جوہر قابل ہے ذرا سی توجہ سے خورشید جہاں تاب بن کر چمک سکتا ہے چنانچہ آپ نے حضرت خواجہ کی التجا کو شرف قبولیت بخشا اور بخندہ پیشانی اپنے حلقہ ارادت میں داخل فرمایا۔

حضرت خواجہؒ کے مرید ہونے کا دلچسپ واقعہ حضورؒ کے اپنے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔

"میں ایک صحبت میں جس میں اکثر عالی مرتبت شیوخ مجتمع تھے نہایت ادب سے حاضر ہوا اور سر نیاز زمین ادب پر جھکایا۔ حضور اقدس نے اذن فرمایا۔

"دو رکعت نماز ادا کرو۔"
میں نے تعمیل ارشاد والا کی۔ پھر حکم فرمایا۔
"رو بہ قبلہ بیٹھ"
میں ادب سے رو بہ قبلہ بیٹھ گیا۔ پھر حکم فرمایا۔
سورۂ بقر کی تلاوت کر میں نے سورہ بقر خلوص کے ساتھ تلاوت کی اس کے بعد حکم ہوا۔ ساٹھ بار سبحان اللہ کہہ۔
میں نے اس کی بھی تعمیل کی پھر حضور والا نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھا اور زبان مبارک سے یہ ارشاد فرمایا۔
"میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔"
ان جملہ امور کے بعد حضرت والا نے ایک خاص قطع کی ترکی ٹوپی جو کلا چہار ترکی کہلاتی ہے میرے سر پر رکھی اور گلیم مبارک جسے حضور عالی سے خصوصیت تھی مجھے پہنائی۔ اور مجھے ارشاد فرمایا۔
"بیٹھ جا" میں فوراً ہی بیٹھ گیا۔ اب پھر حکم دیا۔
"ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ۔"
جس وقت میں اس سے فارغ ہوا تو فرمایا ہمارے مشائخ کے ہاں صرف ایک دن رات کا مجاہدہ ہے اس لئے جا اور ایک دن رات مجاہدہ کرو۔"
یہ حکم سن کر میں نے ایک رات دن پوری عبادتِ الٰہی اور نماز

و اطاعت میں صرف کی دوسرے دن پھر خدمت اقدس میں حاضر ہو کر قدمبوسی کی دولت حاصل کی اور ارشادِ عالی کے مطابق بیٹھ گیا حکم دیا ادھر دیکھ آسمان کی طرف اشارہ کیا میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو استفسار فرمایا "کہاں تک دیکھتا ہے؟" عرض کیا "عرشِ معلیٰ تک" پھر ارشاد ہوا "نیچے دیکھ"

میں نے نیچے دیکھا تو پھر وہی استفسار ہوا کہاں تک دیکھتا ہے؟ میں نے عرض کیا تحت الثریٰ تک "! حکم ملا کہ "ہزار بار سورہ اخلاص پڑھ" میں نے تعمیل ارشاد کی پھر حکم ملا۔ آسمان کی طرف دیکھ "! میں نے دیکھا اور عرض کیا۔

حجابِ عظمت تک بلا تکلف نظر آرہا ہے۔ فرمایا آنکھیں بند کر" میں نے آنکھیں بند کر لیں ایک لمحہ کے بعد حکم فرمایا۔

"کھول دے" میں نے آنکھیں کھول دیں ایک لمحہ کے بعد آپ نے اپنی دو انگلیاں میرے سامنے کیں اور دریافت فرمایا۔

"کیا دکھائی دیتا ہے؟ میں نے عرض کیا اٹھارہ ہزار عالم میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ جب میری زبان سے یہ جملہ سنا تو ارشاد فرمایا۔ بس اب تیرا کام پورا ہو گیا۔

اس کے بعد اینٹ کی طرف جو سامنے پڑی تھی دیکھ کر حکم دیا "اس کو اٹھا"! میں نے بموجب ارشاد وہ اٹھایا تو اس کے نیچے سے کچھ دینار نکلے جن کی نسبت مجھے حکم دیا۔ انھیں لے جاؤ فقراء

ومساکین میں تقسیم کردے "چنانچہ میں نے تعمیل کی

پانچواں باب

خواجہ بیس سال تک حضرت پیرو مرشد کی خدمت میں

حضرت خواجہؒ پہلے شیخ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کے معتقد تھے مگر اب اس قدر گرویدہ ہوئے کہ آرام و راحت نفس پر حرام کر کے غلاموں کی طرح پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر رہتے اور سایہ کی ساتھ ساتھ پھرتے تھے جہاں کہیں حضرت شیخ جاتے تھے حضرت خواجہؒ باخلاص مرید کی طرح آپ کا بستر خواب اٹھاتے۔ توشہ اور پانی کا مشکیزہ کندھے پر ڈالے اور دیگر اشیاء کے مزدوری سر پر رکھے ہمراہ ہوتے تھے۔

جہاں پیرو مرشد قدم رکھتے تھے آپ آنکھیں بچھاتے تھے۔ آخر اسی طرح بیس برس تک مرشد کامل کی خدمت میں رہے اس عرصہ میں کتاب معرفت کے کئی ابواب کا مطالعہ فرمایا پیرو مرشد سے حقیقت کی کئی باتیں زمانہ کی بوقلموں نیرنگیاں اور عجیب وغریب مشاہدات دیکھے۔ بکار نار حیات کے کئی سربستہ رازوں

کا جانا. فقیری کے رموز اسرار سے آگاہ ہوتے. اور پیر و مرشد کی نصیحت آمیز باتیں اور حیرت انگیز کرامات دیکھیں جن کا مختصر نمونہ خواجہ صاحبؒ کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے.

"میں سیستان میں بہمراہی حضرت خواجہ عثمان ہارونی مسافرت تھا ایک روز ہم صومعہ میں پہنچے جہاں حضرت صدر الدین احمد سیوستانیؒ رہتے تھے اور خدا سے زیادہ مشغول تھے. میں کئی روز ان کی خدمت میں حاضر ہوتا محروم نہ جاتا. آپ اندر سے کوئی شئے لاکر دیتے اور فرماتے کہ میرے حق میں دعا کرو کہ میں ایمان سلامت لے جاؤں. جس وقت قبر کی سختی اور موت کا حال سنتے تو بید کی طرح کانپنے لگتے. آنکھوں سے خون رواں ہو جاتا سات سات روز تک متواتر پھوٹ کر روتے رہتے اور اس قدر زور سے روتے تھے کہ دیکھنے والے بھی رونے لگتے. میں جس وقت حاضر خدمت ہوا مصروف گریہ تھے. جب سکون ہوا تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا. کہ عزیز! جس کو موت آنے والی ہو اور ملک الموت حریف ہو اسے سونے بیٹھنے اور خوش دل رہنے سے کیا کام ہے. اور فرمایا. اگر تمہیں ان لوگوں کا حال جو زیر زمین سوتے ہیں اور بچھو بھری کوٹھڑی میں محبوس ہیں معلوم ہو جائے تو اس طرح پگھل جائے جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے"!

" بعد ازاں کہنے لگے "آج تیس سال کے بعد تمہیں واقعہ سناتا

ہوں کہ بصرہ کے قبرستان میں میرے ساتھ ایک اور بزرگ بیٹھے تھے ہمارے متصل ایک قبر میں مردے کو عذاب ہو رہا تھا۔ ان بزرگ نے یہ حال دیکھ کر زور سے نعرہ مار کر زمین پر گر گئے ہم نے اٹھانا چاہا روح قالب سے پرواز کر گئی اور تھوڑی دیر میں ان کا جسم پانی کی طرح بہہ گیا۔ اس کے بعد مجھے دو چھوارے مرحمت فرمائے اور رخصت کیا۔

ایک روز شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ العزیز نے خواجہ غریب نواز سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کل قیامت کے دن جتنے انبیاء اور اور مسلمان ہیں۔ جو کوئی عہدہ نماز (نماز کی ذمہ داری) سے سلامتی کے ساتھ سبکدوش ہو گیا وہ گیا اور نہ بچا اس لئے اس کے حال پہ کہ وہ ہوا اور دوزخ کی آگ جس میں اسے ہمیشہ کے لئے رہنا ہوسکتا۔

امام زاہد کی تفسیر میں آیتہ فویل للمصلین الذین ھم عن صلواتھم ساھون۔

(ترجمہ) ویل ہے ان نمازیوں کے لئے جو نماز میں سستی کرتے ہیں۔ اس کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے کہ ویل دوزخ میں ایک کنواں ہے جس میں نہایت دردناک عذاب رکھا گیا ہے۔ جو نماز نہیں ادا کرتے اور وقت پر ادا نہیں کرتے وہ عذاب ان لوگوں کے لئے ہے پھر آپ نے خود ویل کی تشریح اس طرح فرمائی ویل ستر ہزار عزوجل سے عرض کرتا ہے کہ یہ عذاب سخت کس گروہ پر گیا جاوے

حکم باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ یہ عذاب ان لوگوں کے لئے ہے، جو اپنی نمازیں وقت پر نہیں پڑھتے"۔

میں اور حضرت مرشدی سفر میں تھے جس وقت دریائے دجلہ کے کنارے پر پہنچے تو دریا طغیانی پر تھا۔ مجھے فکر ہوا حضرت عثمان ہارونی نے کہا۔ "آنکھیں بند کرو"۔ تھوڑی دیر کے بعد جو آنکھیں کھولیں تو میں اور حضرت مرشدی دجلہ کے اس پار تھے میں نے عرض کیا۔ "اسے کس طور پر عبور فرمایا"۔ ارشاد فرمایا "پانچ مرتبہ الحمد پڑھ کر دریا پار اتر آئے"۔

ایک مرتبہ درویشوں کی ایک صحبت میں شیخ اوحد الدین کرمانیؒ خواجہ عثمان ہارونیؒ جناب محمد عارف اور خواجہ غریب نوازؒ بھی شریک تھے۔ سب نے اپنی اپنی کرامتیں دکھلائیں۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ نے مصلے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک سونے کا ٹکڑا نکالا اور ایک درویش کو دے دیا۔ فرمایا "جاؤ درویشوں کے لئے شیرینی لے آؤ"۔

ایک دفعہ میں اور خواجہ عثمان ہارونیؒ ہمسفر تھے۔ راہ میں خواجہ بہاؤالدین سے ملاقات ہوگئی۔ ان کا دستور تھا۔ جو شخص ان کی خانقاہ میں جاتا محروم واپس نہ پھیرتے۔ جب کوئی برہنہ آجاتا تو آپ کپڑے اتار کر دینا چاہتے اسی وقت فرشتے لباس غیبی حاضر کرتے ہم چند دن ان کی خدمت میں حاضر رہے وقت

رخصت نصیحت فرمائی جو کچھ روپیہ پیسہ ملے اپنے پاس نہ رکھنا خدا
کی راہ میں لٹا دینا تاکہ دوستانِ الہٰی میں تمہارا نام ہو۔ میں ایک
مرتبہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں حاضر تھا اور درویشوں
کی ایک جماعت بیٹھی تھی کہ اتنے میں ایک بڈھا آپ کی خدمت میں
حاضر ہوا جو بہت ہی ضعیف و ناتواں تھا۔ اور لاٹھی کا سہارا
لیکر چلتا تھا۔ اس نے آکر سلام کیا خواجہ عثمان ہارونیؒ
نے کھڑے ہوکر سلام کا جواب دیا اور تپاک سے بٹھایا تب اس
نے عرض کیا۔ میرا لڑکا اٹیس برس ہوئے مجھ سے جدا ہے پتہ نہیں
کہاں چلا گیا ہے۔ اس کی زندگی اور موت کا کچھ بھی حال معلوم نہیں ہے
اس کی جدائی درد سے بہت شکستہ حال ہوں آپ میری
امداد فرمائیے۔ اس کے آنے اور صحت وسلامتی کے لئے
دعا کی التجا ہے۔" جب خواجہ صاحبؒ نے یہ بات سنی تو مراقبہ
میں سر جھکا یا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر حاضرین سے فرمایا
اس پیر مرد کے گم شدہ لڑکے کے آنے کے لئے فاتحہ اخلاص پڑھو
آپ کے ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ اس کے بعد آپ نے اس بوڑھے
سے مخاطب ہوکر فرمایا "اب جائیں اور جس وقت آپ کا لڑکا
مل جائے اُسے میری ملاقات کے لئے لے آئیں۔" جیسے ہی پیر مرد
نے سُنا سر نیاز خم کر کے حضورؒ کی خدمت سے رخصت ہوا وہ ابھی
راستہ ہی میں تھا کہ ایک شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا " مبارک

ہو تمہارا لڑکا مل گیا" وہ خوشی خوشی گھر آیا لڑکے کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا
سینہ سے لگالیا اور اپنے پاؤں لڑکے کو لیکر حضرت کی خدمت میں واپس آیا اور
بیٹے کو حضورؒ کے قدموں میں جھکا دیا خواجہ عثمان ہارونیؒ نے اس لڑکے
سے کہا "میاں تم کہاں تھے" اس نے عرض کیا "سمندر میں کشتی پر تھا۔ کشتی
کے مالک نے مجھ زنجیروں سے باندھ رکھا تھا۔ آج میں اس جگہ بیٹھا تھا
کہ ایک درویش آپ ہی کے ہم شبیہ بلکہ آپ ہی تھے تشریف
لائے اور زنجیریں توڑ کر میری گردن زور سے پکڑی اور اپنے آگے کھڑا
کر کے فرمایا۔ اپنے پاؤں میرے ہاتھ پر رکھو اور آنکھیں بند کرو تھوڑی
دیر کے بعد ارشاد فرمایا "آنکھیں کھولو" جو وقت آنکھیں کھولیں تو اپنے
آپ کو اپنے دروازے پر کھڑا پایا" اتنا کہہ کر وہ اور کچھ کہنا چاہتا تھا
کہ حضرت نے دانتوں میں انگلی داب کر اشارے سے خاموش رہنے کی
تاکید فرمائی۔ بڈھے نے یہ سن کر حضرت کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اس کے بعد
رخصت ہوا۔ کامل بیس برس تک آپ پیر روشن ضمیر کی خدمت میں ل و
جان حاضر رہے۔ سفر کے رخت سفر اٹھائے پھرے اور جناب شیخؒ کے ہر حکم
کی بسر و چشم اطاعت کرتے رہے۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی اس جان توڑ خدمت کے عوض حضرت
شیخ عثمان ہارونیؒ نے وہ نعمت کبریٰ اور دولت عظمیٰ عطا فرمائی جس کا
کوئی حد حساب ہی نہیں یعنی ہاو فا مرید خدمت گزاری کی تمام منزلیں
طے کریں اور جب روحانی استاد اپنے ہونہار شاگرد کو کتاب حقیقت

و معرفت کا ایک ایک پڑھا ہے کو وہ نعمت و برکت جو انہوں نے بزرگان عظام سے حاصل کی تھی سب اپنے اس مایۂ ناز مرید خواجہ معین الدین چشتی کو دیدی اور نصیحت فرمائی "اے معین الدین خلق خدا سے طمع نہ رکھنا نہ آبادی میں ٹھہرنا اور کسی سے کچھ طلب نہ کرنا۔

بعد میں فاتحہ پڑھ کر سر و چشم کو بوسہ دیکر سپرد خدا کیا اور پھر فرمایا معین الدین محبوب حق ہے اور مجھے اس کی مریدی پر ناز ہے"

چھٹا باب

سیاحت اور ملاقاتیں

غریب نواز مرشد سے رخصت ہوئے تو بغداد شریف کا رُخ کیا وہاں سے بغداد کو کئی راستے جاتے تھے لیکن نزدیکی راستہ وہ تھا جو صوبہ "قوس" میں سے گذرتا تھا۔ نیشاپور سے دونوں شاہراہوں پر تھوڑے سے ہیر پھیر کے ساتھ مغرب میں صوبہ قوس کے شہر بکام میں پہنچتی تھیں۔ یہاں سے ایک راستہ جنوب مغرب کے پہاڑ تھے اور بائیں جانب ایران کا وسیع ریگستان کا اور دوسرا راستہ بکام سے شمال میں راستہ پر تھوڑی سی مسافت کے بعد خرقان کا قصبہ آباد تھا۔ خرقان اس زمانہ میں چھوٹا سا قصبہ تھا اس کی آب و ہوا نہایت خوشگوار تھی اور پانی بھی بافراط

تھا خرقان کی شہرت کا باعث حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کی ذات
اقدس تھی چنانچہ حضرت خواجہ صاحب بھی ان کی ملاقات کیلئے تشریف لے گئے

میری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے   وہ در دشت سادہ تیرا جہان بے بنیاد

اور شیخ صاحب موصوف سے لطیف صحبت فرمایا. خرقان سے آگے
یہ سڑک دھینہ سے ہو کر صوبہ جرجان کے صدر مقام شہر جرجان
میں پہنچتی تھی یہاں سے بھی ایک راستہ آب سکون جاتا تھا.

"مازندان" کی سرحد کے قریب استر آباد ایک عمدہ شہر تھا
قرب و جوار کے علاقوں سے اس کی آب و ہوا اچھی تھی اور یہاں
کی پیداوار کچا ریشم تھا اس زمانہ میں استر آباد کا قلعہ کھنڈر ہو چکا تھا
دروازے شہر کے قریب ہی بازار میں وہ جامع مسجد واقع تھی جو
اسلامی فتوحات کے وقت تعمیر ہوئی تھی استر آباد میں بس گئے تھے ؎

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث   مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

جس وقت آپ وہاں پہنچے شیخ ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز
تھے وہ ایک پایہ کے بزرگ اور عارف باللہ تھے. ان کا سلسلہ
ارادت صرف دو واسطوں سے آفتاب سالکین حضرت بایزید بسطامی
رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا تھا خواجہ صاحب مدت تک ان کی صحبت
میں رہ کر نور عرفان حاصل کرتے رہے.

استر آباد سے ایک سڑک مغرب میں "برطانیہ" "ساریہ" "عیلر"
میلہ سے ہوتی ہوئی آمل پہنچتی تھی. یہ تمام شہر صوبہ مازندان کی حدود

میں تھے جس کے شمال میں "بحر خزر" تھا اور جنوب میں "صوبہ قومس" واقع تھا۔ آمل سے بغداد جانے والے جنوب مغربی راستہ پر کو "رے" کے شہر میں پہنچتے تھے۔ یہ ایک بڑا وسیع اور خوبصورت شہر تھا۔ یہاں سے کئی راستے نکلتے تھے۔ ایک سڑک تھوڑا سا چکر کاٹ کر جنوب مشرقی گوشہ میں آباد تھا۔ اس کے جنوب میں صوبہ فارس کی سرحد شروع ہوتی تھی اور مشرق میں صحرائے ایران تھا

تو ابھی رہگزر میں ہے قیدِ مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گزر فارس و شام سے گزر

اصفہان دنیا کے عمدہ اور خوبصورت بلاد میں شمار کیا جاتا تھا اصل وہ شہروں کا مجموعہ تھا جو پہلو بہ پہلو آباد تھے اس کے بعض بازار مسقف تھے اور بعض کھلے اور ہر ایک بازار کا اپنا پھاٹک تھا جس کو بند کر دینے سے سارا بازار بند تھا مکانات کی تعمیر اینٹوں کی تھی ایک بازار میں ایک عظیم الشان خوبصورت جامع مسجد تھی جسکے ستون گول تھے اور قبلہ رخ ایک مینار تھا جس میں کی بلندی ستر ذرع تھی اور شاہ سلجوقی نے جو قلعہ سنہ ۵۰۰ھ میں بنوایا تھا اور قریب ہی ایک پہاڑ کی چوٹی پہ واقع تھا اور اس کا نام شاہ وزیر تھا۔

اصفہان میں سرافوں کا بازار قابل دید تھا اس میں کم و بیش دو سو صراف بیٹھتے تھے، وہ تجارت کا بڑا اجاری مرکز تھا۔ اور وہاں سے ریشمی پارچہ جات خوشنمائی اور صوفی کپڑے بہت دساور جاتے

جاتے تھے۔ اصفہان کے دُھسے قبائیں بہت مشہور تھے اس علاقے پر ہر قسم کے پھل بہت عمدہ پیدا ہوتے تھے خاص کر شیرینی تو ضرب المثل تھی اور ایک خاص قسم کا نمک پاشیدہ گوشت سے برآمد کیا جاتا تھا۔ اصفہان کے باشندے بڑے خوبصورت تھے۔ ان کا کھلا ہوا سفید رنگ سیب کی طرح سُرخی لئے ہوئے تھا وہ لوگ بڑے کریم النفس اور سب کے سب اعلیٰ درجے کے خوش غذا تھے دعوتوں کا اہتمام بڑے شوق سے کرتے تھے وہ نہ صرف کھانوں میں بڑی بڑی جدت پیدا کرتے تھے۔ چنانچہ انہیں ان کی نفاست طبع کہئے یا فضول خرچی و جہالت کا کرشمہ کہئے کہ بعض دفعہ چولہے میں لکڑیوں کی بجائے ریشم جلا کر کھانا تیار کیا جاتا تھا۔ الغرض کئی نئے نئے طریقوں سے دوستوں کا انتظام کیا کرتے تھے۔ اور اس پر فخر و ناز کیا جاتا تھا۔

اصفہان میں حضرت شیخ علیؒ ابن سہل خلیفہ حضرت جنید بغدادیؒ کی خانقاہ تھی لوگ اس کا بہت ادب و توقیر کیا کرتے تھے اور دور دراز سے اس کی زیارت کے لئے چلکر آتے تھے اس خانقاہ کے ساتھ ایک حمام وقف تھا۔ جس میں نہانے کے عوض کوئی اجرت ادا نہیں کرنی پڑتی تھی نیز ہر آنے والے کو کھانا خانقاہ کی طرف سے ملتا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جب اصفہان پہنچے تو شیخ محمد اصفہانی سے ملاقات فرمائی یہ ملاقات بھی عجیب پُر لطف تھی کہ بادہ معرفت و حقیقت کے دو متوالے اور ایک ہی معشوق کے دو عاشق آمنے

سامنے کھڑے تھے لیکن وہ اپنے آپ کو کسی کا حریف نہیں خیال کرتے تھے اور نہ ہی ان کے دل میں حسد تھا بلکہ وہ تو اپنے فیوضات روحانی سے ایک دوسرے کو بالکل اسی طرح آشنا کر رہے تھے جس طرح کہ دو شمعیں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوں اور ایک شمع دوسری پر نور کی بارش کر رہی ہو خدا کی قدرت دیکھو اسی زمانے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی مرشد کامل کی جستجو میں پھرتے پھراتے ادھر آ نکلے اور کچھ عرصہ سے شیخ محمود اصفہانیؒ کی کشف و کرامات کا مطالعہ فرما کر مرید ہونے کے مسئلے پر غور کر رہے تھے۔

عقل کی وادی میں ہوں گم کردۂ معشوق عشق ڈھونڈتا ہوں اور نہیں ملتا تو بس مجھے

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے روئے کتابی پر ان کی نظر پڑ گئی جس میں نور کی شعاعیں نمودار ہو رہی تھیں اور آپ کی پاکیزہ عادات و عجیب و غریب کرامات کو ملاحظہ کیا چنانچہ ایک روز موقع پا کر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

تو میری رات کو محروم نم نہ رکھو تیرے پیمانے میں ہے مہ تمام اے ساقی

اور آپ کے دستِ حق پر بیعت کر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے

گذر اوقات وہ کر لیتا ہے کوہ بیابان میں
کہ شاہیں کیلئے ذلت ہے کار آشیاں بندی

اصفہان سے ہمدان کو کئی راستے جاتے تھے لیکن قریب کا راستہ وہ تھا جو مغرب میں "فرہاد خاں اور برج سے ہو کر "کرج" پہنچتا تھا

اور پھر جنوب مغرب میں "جموذ" اور وہاں سے شمال مغرب میں "نہاوند" گیا تھا۔ ہمدان نہاوند کے شمال میں تھا۔

جسیں زمانہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہمدان پہونچے تو اس عہد کے سب سے بڑے اور زبردست عابد وزاہد شیخ یوسف ہمدانیؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کرکے اکتساب فیض کیا۔

ہمدان سے شمال میں ایک راستہ سیدھا "تبریز" جاتا تھا اس راہ پر شہر ورد "سلطانیہ" "زنجان" اور میانجی کے شہر مشہور تھے

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تشریف آوری کے وقت تبریز میں حضرت شیخ ابو سعید تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کا بڑا شہرہ تھا۔ چنانچہ حضرت غریب نوازؒ کچھ عرصہ تک ان کی پاکیزہ صحبت سے لطف ذوق وشوق حاصل کرتے رہے۔

ساتواں باب

حضرت خواجہ غریب نوازؒ بغداد میں

ہنگامے انھیں کے ہیں صلّ علیٰ کے
جو زیست میں عاشق ہوں اللہ احد پر

بغداد اس زمانہ میں رحمت کی گھٹاؤں میں گھرا ہوا تھا۔ وہاں علم وفن کی بارش ہورہی تھی بڑے بڑے جلیل القدر اور بلند مرتبہ علماء فضلا

صلحا صوفیا اتقیا اور اولیا اللہ بغداد میں موجود تھے اور ان کی محفلیں شائقین علوم ظاہری و باطنی سے بھری رہتی تھیں خواجہ غریب نوازؒ بھی ایک ایک محفل میں پہنچے اور فیضیاب ہوئے۔

نکہتِ گل سے معطر ہو گیا میرا دماغ   نورِ عرفاں نے فروزاں کر دیا دل کا چراغ

بغداد پہونچکر غریب نواز کو یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے شیخ فقیہہ شیخ ابو نجیب سہروردیؒ اور جناب غوث الاعظم دستگیر سیدؒ عبدالقادر جیلانیؒ انتقال فرما چکے تھے ان کے مزارات پُر انوار پر جا کر معتکف ہوئے اور دیگر بزرگان عظام کے روحانی مزارات پر حاضر ہو کر برکات و فیوضات روحانی حاصل کئے۔

بغداد شریف میں آپ نے حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی سے بھی ملاقات فرمائی جو اس وقت منازل عرفان کے مراحل طے کر رہے تھے اور آپ دونوں ایک دوسرے سے فیضیاب ہوئے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ خواجہ صاحبؒ نے ان کے ساتھ کرمان کا سفر بھی کیا اور اس دوران میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بھی ملاقات ہوئی اس وقت ابتدائی منازل میں آپ گامزن تھے وہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں ایک عرصہ تک حاضر رہے اور صحبت ذوق شوق میں شرکت فرما کر بہت مراتب حاصل کئے۔ آپ کا شمار دنیا کے مشہور اقطاب میں ہے اور آپ نے [illegible] میں شہادت حاصل کی ہے

اچھا کیا جنہوں نے دار پہ منصور کو کھینچا   کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا راز داں ہو کر

آٹھواں باب

غریب نوازؒ مکہ معظمہ میں

سنبھال کے رکھنا قدم دشتِ عشق میں مجنوں کہ اس دیار میں سودا آ خجستہ پا بھی ہے

غریب نوازؒ مکہ معظمہ میں پہنچے تو یا بلبل گلستاں میں آ گیا۔ کلی کلی کا منہ چوما پتی پتی کو آنکھوں سے لگایا شاخ شاخ پر محمد کا ترانہ گایا۔

خواجہ صاحبؒ پہلے ہی دل دیئے ہوئے تھے کہ اب تصدق ہونے کو دل چاہا پروانہ شمع کے چکر کاٹ کر تھک جاتا ہے لیکن کعبہ اللہ کا طواف کرتے کرتے خواجہ معین الدین چشتیؒ نہ ہارے۔

آپ کی قسمت کا ستارہ چمکا محبوب مہربان ہو گیا وہ "رحیم" تو ہمیشہ ہی سے ہے لیکن اب اس نے ایسی شان کریمی دکھائی کہ جو غالباً خواجہ صاحبؒ کو بھی اس کی امید نہ تھی یعنی اس مہربان محبوب نے آواز دی۔

اے معین الدینؒ میں تجھ سے راضی ہوں تو بخشا گیا اور جو بھی تیرا دل چاہے، مانگ لے" خواجہ غریب نوازؒ نے خوشی و مسرت سے بیخود ہو کر جبینِ نیاز آستانِ محبوب پر رکھ کر عرض کی" اے پروردگار جو میرے سلسلہ میں مرید ہوں ان کی بخشش کا طالب ہوں" اسی وقت ندا آئی تیری دعا قبول ہے اور قیامت تک تیرے سلسلہ میں جو داخل ہو گا اُسے بخش دوں گا۔"

نواں باب

خواجہ مدینہ منورہ میں

ابر رحمت ہے یہاں بوئے بہشت ہے یہاں
رنگ وحدت ہے یہاں غنچہ مغفرت ہے یہاں

خواجہ معین الدین چشتی آپ مدینہ منورہ میں تھے اور محبوب خدا کے دربار میں کھڑے تھے یعنی آپ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آستاں بوسی کا شرف حاصل کر رہے تھے جن کیلئے زمین آسمان چاند و سورج و کل کائنات ارضی و سماوی پیدا کی گئی ہے. خواجہ صاحبؒ خوب اچھی طرح جانتے تھے. کہ اس بارگاہ عظمت و جلال سے گداؤں کو بادشاہی اور خاکساروں کو سرداری کی سند عطا ہوتی ہے اور آپ کو یہ بخوبی معلوم تھا کہ اس دہلیز کو چومنے والے غوث اور قطب کے بلند مراتب پر فائز ہو جایا کرتے ہیں ؎

اسی دربار سے اٹھتی ہے موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

چنانچہ حضرت خواجہؒ نے بارگاہِ رسالت میں سلام و نیاز عرض کر کے اپنا دلی مدعا بیان کیا اور کئی دن تک متواتر غریب نوازانہ تحفہ درود و سلام پیش کرتے ہیں اور عبادت و ریاضت شاقہ میں اپنا تمام وقت صرف کیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے مدینہ شریف میں درس کا سلسلہ جاری کیا ہوا تھا. غالباً آپ ایک روز مصلے پر ہی

تھے (اس وقت شاید آپ کے دل میں یہ خیال آیا ہو گا کیا ہی اچھا ہو اگر سرورِ دو عالم ؐ کے دربار سے سندِ ولایت مل جائے) کہ اتنے میں روضہ منورہ سے آواز آئی۔

"معین الدین کو بلاؤ"

لوگ حیران تھے کہ یہ خوش نصیب ہے جسے حضور نے یاد فرمایا ہے چنانچہ خدام روضۂ اطہر نے باآواز بلند پکارا ان کی صدا سن کر کئی معین الدین چلے آئے۔ خدام اس شش و پنج میں تھے کہ ان میں سے کس معین الدین کو سرکار دو عالم ؐ کے دربار میں پیش کریں۔ چنانچہ دریافت کرنے میں حضور نے فرمایا "معین الدین چشتیؒ کو حاضر کرو"!

حبیبِ خدا کا آپ کو یاد فرمانا کوئی معمولی بات نہ تھی چنانچہ آپ مسرت و انبساط میں ڈوبے ہوئے اور عالمِ بیخودی میں صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہوئے فوراً آستانِ اقدس میں حاضر ہو کر مؤدب کھڑے ہو گئے۔ ارشاد نبوی ؐ ہوا "اے قطب المشائخؒ اندر آؤ"! حضور غریب نوازؒ عالم وجدانی میں روضۂ اقدس کے اندر داخل ہوئے اور محبوبِ خدا کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے معین الدین" تو خاص ہمارا ہے۔ اور دین کا معین ہے۔ ہم ولایتِ ہند تیرے سپرد کرتے ہیں۔ جا اجمیر میں جہاں کفر کی تاریک بدلیاں چھائی ہوئی ہیں اور وہاں قیام کر کے اس زمین شرک کو اسلام کے نور سے معمور کر خدا تجھے برکت دے گا"

خواجہ صاحبؒ بصد ادب و احترام روضۂ انور سے باہر نکلے حضور نبی کریمؐ کے فرمان پر غور کیا تو حیران ہوئے کہ ہندوستان کدھر ہے "اجمیر کہاں ہے اسی فکر میں تھے کہ سورج غروب ہوا اور رات نے زمانہ کو سیاہ چادر میں چھپایا غریب نوازؒ نے پہلے مغرب کی اور عشاء کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد حسب معمول درود و وظائف میں معروف ہوئے جب عبادت سے فارغ ہو گئے تو نیند نے حاضری دی۔ اور آپ سو گئے عالم خواب میں تمام ہندوستان کا نقشہ آپ کے سامنے تھا اور اس میں راجپوتانہ کی سرزمین اور اجمیر کا محل وقوع نمایاں طور پر نظر آیا۔ جب آپؒ کی نیند سے آنکھ کھلی تو سجدہ شکر ادا کیا اور روضۂ اطہر پر پہنچکر تحفۂ درود وسلام پیش کر کے ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے ؎

جب میکدہ چھٹا تو اب کیا جگہ کی قید — مسجد ہو کہ مدرسہ ہو کہ خانقاہ ہو

وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ آپ آتی دفعہ شام و فلسطین کی راہ سے آئے یا جاتی دفعہ ادھر سے گئے لکھا گیا ہے کہ سوانح نگاروں نے یہ لکھا کہ آپ پہلے مکہ معظمہ پہنچے اور مکہ معظمہ کو سیدھا راستہ عراق سے جاتا ہے اور چونکہ شام فلسطین والے راستے میں پہلے مدینہ منورہ آتا ہے۔ لیکن آپ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ عرب میں جاتی دفعہ شام کی طرف سے گئے تھے وہاں ایک بزرگ تھے ان کے بدن کا گوشت پوست خشک ہو گیا تھا۔ فقط ہڈیاں باقی تھیں۔ وہ بزرگ

ایک سجادہ پر متمکن تھے اور دو شیر دروازہ پر چوکسی کرتے تھے میں ان کی
ملاقات کو گیا مگر ان شیروں کے ڈر سے اندر جانے کی جرأت نہ ہوئی تھی
شیخ نے مجھے دیکھ کر جرأت نہ ہوئی تو فرمایا "اندر آؤ ڈرو مت"
میں یہ سُن کر اندر گیا اور زمین ادب چوم کر بیٹھا پہلی جو آپ نے فرمائی یہ
تھی کہ جب تک کسی چیز کا قصد نہ کرو گے وہ بھی تمہارا قصد نہیں کرے گی
پھر فرمایا جسکے دل میں خوف خدا ہوتا ہے ہر چیز اس سے ڈرتی ہے ۔
خود بخود غیر پہ طاری تری ہیبت ہو گی دل میں پہلے اللہ کا ڈر پیدا کر
اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہاں سے آئے ہو۔ عرض کیا بغداد سے
کہا "خوش آمدی" مناسب یہ ہے کہ درویشوں کی خدمت کرتے رہو۔ کہ تم
کو مذاقِ درویشی ہو۔ مجھے کئی برس اس غار میں رہتے گزر گئے۔ ایک بات
سے ایسا ڈرا ہوں کہ ۔

"میں نے دریافت کیا کہ وہ کیا بات ہے ۔
فرمایا نماز ہے جس کے ادا کرنے کے بعد اس خوف سے کہ مبادا کوئی رہ
نہ گئی ہو اور نمازی میرے لئے عتاب ہو جائے روتا ہوں پس اے درویشی
اگر نماز ادا کی تو سبحان اللہ ورنہ مفت میں عمر رائیگاں ہوئی۔
اس کے بعد فرمایا ارکانِ نماز کو نہ پورا ادا کرنے سے زیادہ کوئی گناہ
نہیں مجھے معلوم نہیں کہ میری نماز خدا تعالیٰ نے مقبول فرمائی یا نہیں۔
پھر مجھے ایک سیب دیا اور فرمایا کوشش کرو کہ نماز ادا ہو جائے
ورنہ کل بروز محشر سخت مشکل ہو گی ۔

نماز کے سلسلے میں ایک دوسری جگہ کا حال بیان فرمایا جہاں کے مسلمان کی رسم تھی کہ وقت آنے سے پہلے نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتے تھے۔ میں نے اس کا سبب ان لوگوں سے دریافت کیا بولے ہم اس خیال سے وقت سے پہلے تیار ہو جاتے ہیں کہ شاید وقت تنگ ہو جائے یا گزر جائے۔ حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عجلوا بالتوبۃ قبل الموت وعجلوا بالصلوٰۃ قبل الفوت یعنی جلدی کرو نماز پڑھنے میں کہ شاید وقت فوت نہ ہو جائے۔

دسواں باب

حضرت پیر و مرشد سے آخری ملاقات

بغداد شریف میں پہنچکر آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ارشاد دینوی سے آپ کو مطلع فرمایا اس وقت حضرت شیخ کے لبوں پر مسکراہٹ کھلنے لگی۔ اور آپ نے فرمایا اب ہم اعتکاف کرتے ہیں اور حجرے سے باہر نہ آئیں گے۔ تم صبح کو چاشت کے وقت حاضر ہوا کرو۔

چنانچہ خواجہ صاحبؒ نے ایسا ہی کیا آپ ہر روز صبح چاشت کے وقت مرشد کامل کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور تعلیم روحانی سے مالا مال ہو کر آتے تھے۔ یہ سلسلہ اٹھائیس روز تک جاری رہا اور

اس اثنا میں آپ اپنے مرشد کے احکام کو قلمبند کر لیا کرتے تھے الغرض اٹھائیس یوم میں اٹھائیس باب کا ایک رسالہ مرتب ہو گیا اس رسالہ کے احکام کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) احکام ایمان (۲) مناجات حضرت آدم علیہ السلام (۳) احکام اسلام (۴) کفارہ نماز گزشتہ صلوٰۃ کسوف و خسوف و شمس و قمر (۵) فضیلت الحمد و سورہ اخلاص (۶) اہل جنت کی تعریف (۷) صدقہ (۸) شراب کی حدود کے احکام (۹) مومن کو کسی کا آزار ہونے پائے۔ (۱۰) قذف (۱۱) کسب (۱۲) فضیلت دختران (۱۳) خرابی شہرت (۱۴) زمانے کے موافق رہنا (۱۵) کشتن جانوران (۱۶) حرمت مسجد (۱۷) مال کو جمع کرنے کی خرابیاں (۱۸) اذان (۱۹) مومن (۲۰) مسلمانوں کی حاجت روائی (۲۱) یوم آخرت (۲۲) یاد موت (۲۳) مساجد میں روشنی (۲۴) درویشوں کی خدمت (۲۵) حاکم جابر کی نگہداشت (۲۶) حاکم کی توقیر منزلت (۲۷) توبہ اہل سلوک (۲۸) دراز آستین دراز کرتہ اور شرعی لباس کا استعمال یعنی لباس فقراء

آخری روز حضرت شیخؒ نے خواجہ صاحبؒ کو اپنا عصا مبارک مصلیٰ اور خرقہ عظمیٰ عطا فرمایا اور ارشاد ہوا "لو یہ میری یادگار ہے۔ اب تم جس کو اس کا اہل سمجھنا دینا اور دینی و دنیاوی تمام رحمتوں سے سرفراز فرما کر رخصت کیا۔

چنانچہ آپ بغداد شریف سے روانہ ہوئے کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب اثنائے سفر میں بلخ بدخشاں ہرات اور سبزواز بھی گئے۔ اس لئے ان کا حال بھی لکھنا ضروری ہے۔

خواجہ صاحبؒ کا بلخ کی طرف سے گزر ہوا تو آپ کا ولی کامل اور بزرگ اکمل شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہِ مقدس میں رونق افروز ہوئے اور چندین وہیں قیام فرمایا۔ خواجہ غریب نوازؒ کی عادت تھی کہ تیر و کمان اور نمک دان ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے تاکہ سفر میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو چنانچہ جب کبھی آپ کو بھوک لگتی تو جنگل سے کوئی شکار کر کے اپنا پیٹ بھر لیا کرتے تھے۔

ایک روز خواجہ غریب نواز کو بھوک نے بہت ستایا تو آپ شکار کی تلاش میں نکلے۔ سامنے ایک کلنگ نظر آیا آپ نے جو تیر کمان میں جوڑ کر مارا تو وہ زمین پر آرہا اب نے اُسے ذبح کر کے خادم کے حوالے کیا تاکہ وہ اُسے بھونے اور خود نماز پڑھنے لگے۔

جس جگہ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور خادم کلنگ بھون رہا تھا اس کے قریب ہی ایک مشہور معروف فلسفی و حکیم کی رہائش تھی جہاں اس نے اپنا مکتب جاری کر رکھا تھا جس میں دور دور سے آکر طلبا تعلیم حاصل کرتے تھے ان حکیم صاحب کا نام ضیاء الدین تھا وہ اپنے فلسفیانہ دلائل کی بنا پر اولیاء اللہ کا ذکر بڑے مضحکہ خیز انداز میں کیا کرتے جس کا لوگوں پر بہت بڑا اثر پڑتا تھا خدا کی قدرت جس ...

خادم سلنگ بھون رہا تھا اور خواجہ صاحبؒ نماز میں مشغول تھے حکیم ضیاءالدین فلسفی کا ادھر سے گذر ہوا ان کی نظر جو خواجہؒ پر پڑی خدا جانے دل میں کیا خیال آیا وہیں ٹھٹھک کر رہ گئے خواجہ صاحبؒ نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے آپ کے روئے مبارک میں کچھ ایسا جلوہ دیکھا کہ فلسفہ و حکومت کی سب باتیں بھول گیا اور السلام علیکم کر کے سامنے مودب بیٹھ گیا۔

قلندر جز دو کل حرفِ لاالٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

اتنے میں خادم نے سلنگ بھون کر آپ کی خدمت میں پیش کیا چنانچہ خواجہ صاحبؒ نے بسم اللہ کر کے ایک ران از راہِ کرم ان کو عطا فرمائی اور دوسری ران سے گوشت اتار کر خود تناول فرمانے لگے اور باقی جو کچھ بچا اسے خادم کے حوالے کر دیا۔

پردے کو یقین کے در دل سے ہٹا دے کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات کا عالم

حکیم ضیاالدین نے ابھی پہلا لقمہ ہی منہ میں ڈالا تھا کہ حقیقت و معرفت کا آئینہ ان کے سامنے آ گیا اور عقل و فلسفہ کے سبب جو خیالات بد ان کے دماغ میں بھرے ہوئے تھے۔ سب نکل گئے اور دل میں ایسا ہیجان پیدا ہوا کہ وہ اسی وقت بیہوش ہو گئے یہ حال دیکھ کر خواجہ صاحبؒ اٹھے اور ایک لقمہ اُن کے منہ میں ڈال دیا۔ جوں ہی اس لقمہ کا حلق سے اترنا تھا۔ اس کی بدحواسی

کم ہوئی اور ہوش میں آ گئے۔ آنکھ کھلتے ہی حقیقت و معرفت کا انکشاف ہونے لگا وہ اپنے گزشتہ خیالاتِ فاسدہ پر بہت نادم و شرمندہ ہوئے اور اپنی ناپاک اور مذموم حرکات سے تائب ہو کر معافی مانگی نیز اپنے تمام شاگردوں کے ساتھ خواجہ صاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے ؎

نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے — کہ اپنی موج سے بیگانہ دریا رہ نہیں سکتا

جب اس بات کی خبر اہلِ شہر کو ہوئی لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ اب مولانا ضیاء الدین فلسفی کی حالت بالکل بدل گئی تھی وہ اپنا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گزارنے لگے۔ چنانچہ حضور غریب نوازؒ نے انھیں رموزِ ظاہری و باطنی سے آگاہ فرما کر خرقہ درویشی عطا فرمایا نیز اپنا جانشین بنایا اور ہدایت خلق پر مامور فرمایا۔

سمرقند میں جس وقت آپ کا گزر ہوا تو خواجہ ابواللیث سمرقندی کے مکان کے قریب ہی ایک مسجد تعمیر ہونیوالی تھی وہاں ایک شخص قبلہ کی طرف بحث کر رہا تھا۔ کسی طرح نہ مانا تو خواجہ صاحبؒ نے اس کا منہ کعبہ کی طرف کر کے کہا۔ سامنے دیکھ۔ بول کیا نظر آ رہا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "کعبۃ اللہ نظر آ رہا ہے؟"

جب خواجہ صاحبؒ بدخشاں میں پہنچے تو حضرت جنید بغدادیؒ کی اولاد میں سے ایک بزرگ جن کی عمر ایک سو چالیس برس کی تھی، ان سے ملاقات ہوئی ہوئی ان کا ایک پاؤں کٹا ہوا تھا۔

جب استفساران بزرگ سے خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں بہت سے اس صدمہ میں معتکف ہوں کہ مجاہدۂ نفسانی میں مشغول تھا کہ ایک دن اتفاق سے کسی دنیاوی ضرورت سے باہر جانے کا خیال پیدا ہوا پس اس پاؤں کو جواب قطع ہے۔ آگے بڑھا ہی تھا کہ کانوں میں غیب سے یہ آواز آئی اے مدعی ہمیں عہد کر فراموش کر دی۔ بس اس آواز کا سننا تھا کہ میرا عجیب حال ہوا کہ قلب بے قرار ہو گیا۔ چھری سے اس وقت پیر کاٹ کر پھینک دیا اس واقع کو چالیس برس گزر چکے ہیں اور یہ دل میں جاگزیں ہے کہ کل قیامت کے روز درویشوں کے سامنے یہ روئے سیاہ کس طرح لے جاؤں گا۔

اس واقعہ کو سن کر خواجہؒ صاحب بہت متاثر ہوئے اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔ ہرات میں خواجہؒ صاحب حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر فروکش ہوئے۔ رات بھر عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ اور سارا دن سیر و سیاحت و مطالعہ قدرت میں گزار دیتے اس مزار مبارک پر ہیبت خداوندی کا نزول اجلال تھا اس لئے آپ بہت ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ اور اپنے ہمراہیوں میں سے صرف ایک درویش کو اپنے ساتھ اندر لے جانے کی اجازت دیتے تھے وہاں خواجہ صاحبؒ نے عرصہ تک مجاہدہ نفس کیا آپ اکثر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے تھے چنانچہ اہلِ ہرات کو جب خواجہ صاحبؒ کا پتہ لگا گروہ در جوق آپ پاس آ کر برکات و فیوض حاصل کرنے لگے۔

گیارھواں باب

خواجہ غریب نوازؒ ہند کی راہ پر

اس زمانہ میں سبزوار کے حاکم شیخ محمد یادگار تھے۔ خبر نہیں انہیں خلفائے ثلاثہ کے اسمائے مبارک سے کیا ضد تھی کہ جس شخص کے نام کا کوئی جز ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ ہوتا تھا۔ وہ ان کے حاکمانہ عتاب کا نشانہ بن جاتا نیز جس طرح کہ عام طور پر صاحب اقتدار لوگ دولت و حکومت کے نشہ میں چور ہو کر اپنے اخلاق اطوار کو بگاڑ لیتے ہیں اسی طرح شیخ محمد یادگار کی عادات بھی قابل اصلاح تھیں۔

آکر عدم سے بھول گئے وعدۂ الست ۔۔۔ میخانۂ حیات میں مدہوش ہو گئے

شیخ محمد یادگار نے شہر سے باہر ایک باغ لگوا رکھا جو بڑا پر فضا تھا اسے حسن اتفاق سمجھو یا شیخ صاحب موصوف کی خوش قسمتی کہ حضرت غریب نوازؒ جو ادھر سے گزرے تو بہت تھکے ہوئے تھے چنانچہ آپ اس باغ میں ٹھہر گئے۔ اس وقت آپ کا رُخ انور اور ریش مبارک غبار آلود ہو رہے تھے۔ آپ نے حوض میں غسل کیا اور دو رکعت نماز ادا کر کے کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثنا میں اطلاع آئی کہ حاکم شہر شیخ محمد یادگار بغرض سیر و تفریح باغ میں آرہے ہیں باغ کے مالیوں اور خدام میں اس خبر سے ہل چل مچ گئی چنانچہ کوئی صفائی کرنے لگا۔ کوئی

چھڑکاؤ کرنے میں مصروف ہوا۔ الغرض جب شاہی فراش بچھانے آئے تو حضور کو اس جگہ رونق افروز دیکھا۔ وہ چاہتے کہ اس نورانی صورت والے بزرگ کو وہاں سے اٹھا دیں کیونکہ انھیں خیال تھا کہ اگر حاکم شہر نے انھیں دیکھ لیا تو اُن کی خیر نہیں۔ لیکن خواجہ صاحبؒ کے رعب و جلال کی وجہ سے حرفِ تمنا کسی کو زبان تک لانے کی جرأت نہ ہوئی

بادشاہی میں فقیری کا چلن رکھتے ہیں   دوش پر بار امانت کے اٹھانے والے

انھوں نے حضورؒ کے قریب ہی حوض کے کنارے پر ایک خوشنما اور بیش قیمت قالینوں کا فرش بچھایا۔ جن پر بہار کے نقشے کھنچے ہوئے تھے اور ہر قسم کا سامانِ عیش بڑے قرینے سے لگایا۔ اتنے میں خبر آئی کہ حاکم کی سواری آگئی خدام مؤدب کھڑے ہو گئے۔ خواجہ صاحبؒ کے خادم نے سن لیا تھا کہ حاکم شہر فقرا اور اولیا کے متعلق اچھا عقیدہ نہیں رکھتا ممکن ہے کہ وہ حضرت غریب نوازؒ کو کوئی گزند پہونچائے۔ اس لئے عرض کیا۔ اگرچہ کچھ حرج نہیں ہو تو حضور کسی دوسری جگہ تشریف لے چلیں لیکن آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ بالکل خوف نہ کرو اور علیحدہ بیٹھ کر تماشہ قدرت کا دیکھو۔

خادم حسب الارشاد وہاں سے ہٹ گیا اور بیم و رجا کی حالت میں ایک کے پیچھے چھپ کر دیکھنے لگا کہ پردۂ غیب سے ابھی کیا ظہور میں آتا ہے تھوڑی دیر کے بعد شیخ محمدؒ یادگار۔ باغ میں آئے تو غریب نواز کو اپنی نشست گاہ کے قریب ہی قیام پذیر دیکھ کر بڑے غصّہ سے خدام سے مخاطب ہوئے فقیر کو یہاں سے کیوں نہیں اٹھایا۔

وہ سب کے سب خوف وہیبت سے کانپنے لگے. اور ابھی ان میں سے
کوئی شخص جواب نہ دینے پایا تھا. کہ خواجہ صاحبؒ نے جو ایک نگاہِ کرم
ان پر ڈالی تو وہ حضور کا رعبِ جلال دیکھتے ہی لرزہ بہ اندام ہو کر زمین
پر گر پڑے. اور مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے. اس وقت تمام ملازم
انھوں نے بڑی عاجزی سے خواجہ صاحبؒ کی بارگاہ میں التجا کی
"حضور! یہ آپ کے مرتبہ شناس نہیں تھے اس سے گستاخی سرزد
ہوئی. لیکن اب آپ کو عفو تقصیر کر دینی چاہیئے.
بد چاہیئے سزا عفویت کے واسطے آخر گنہگار ہوں کافر نہیں ہوں
خواجہ صاحبؒ کی رحم دلی تو ضرب المثل ہے. اس واقعہ سے صرف
شانِ ولایت دکھانا مدعا نہ تھا. بلکہ شیخ محمد یادگار کی مذہبی اخلاقی
اصلاح مقصود تھی. چنانچہ آپ نے اپنے خادم کو بلایا اور حکم دیا
کہ بسم اللہ کر کے اس کے منہ میں پانی چھڑکا دو"
خادم نے جوں ہی تعمیل حکم کی تو شیخ کو ہوش آیا لیکن اب کی
حالت بالکل بدل چکی تھی. اور غرور حکمرانی اور دولت کا نشہ ہرن
ہو چکا تھا. ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اب وہ اگلے سے محمد یادگار نہیں ہے
ٹوٹے پڑے ہیں آج قرابے شراب کے کیا جلد اتر گئیں میرے نشوں کی مستیاں
شیخ فوراً اٹھے اور خواجہ صاحبؒ کے قدموں میں اپنا سر رکھ کر
عرض کیا یا حضرت! میں تمام ممنوعات سے باز آیا. اب میری خطا کو
معاف فرما دیجئے. جب شیخ نے سچی توبہ کر لی تو خواجہ صاحبؒ نے

دستِ شفقت سے ان کا سر اٹھایا۔ اور کمال مہربانی سے فرمایا۔ رسالت کے عظیم الشان خاندان کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرنا۔ ان کی پیروی نہ کرنا بے معنی ہے۔" آپ نے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم کے مناقب اس انداز سے بیان فرمائے کہ تمام حاضرین پر رقت طاری ہوگئی اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی ؎

کیا گرا خاطر ہے رنج انکشاف راز دوست
سینہ پھٹ جاتا ہے غنچہ کا صبا کو دیکھ کر

اور سب حاضرین نے صدق دل سے توبہ کرلی پھر حضرت شیخ محمد یادگار نے وضو کرکے دوگانہ شکر ادا کیا اور حضرت خواجہ صاحبؒ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ نیز اپنا تمام مال نقد وجنس حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن خواجہ صاحبؒ نے اُسے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

"جن لوگوں سے تم نے یہ مال جبراً وصول کیا ہے۔ یہ انھیں کے حوالے کردو تاکہ قیامت کے روز کوئی شخص تمہارا دامن نہ پکڑے۔" شیخ محمدؒ یادگار نے حضور کے فرمان کے مطابق اپنا سارا کا سارا مال و دولت اس کے حقیقی مالکوں کو واپس لوٹا دیا۔ اور جو کچھ باقی بچا اسے فقرا، مساکین میں تقسیم کر دیا ؎

منزلِ مقصود ہستی پر نظر پڑنے لگی
مسلکِ اربابِ تسلیم ورضا کو دیکھ کر

اور تمام عیش و آرام نفس پر حرام کرکے اپنی منکوحہ بیوی کو طلاق دے دی اور خد سفر و حضر میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے آپ کو

خلافت عطا فرما کر حصار کی ولایت دی لیکن آپ نے حضرت خواجہؒ کی جدائی برداشت نہ کر سکے اس لئے حضرت خواجہؒ بھی ہمیشہ زیر سایہ رکھتے حتی کہ خواجہ صاحبؒ کی وفات کے بعد بھی مزار اقدس پر خادم بن کر رہے اور تادم آخر تک خدمت کرتے رہے۔ آپ کا مزار غریب نوازؒ کے روضہ اقدس کے مشرق میں قریب ہی ہے جہاں ہر سال ماہ رجب کی ۲۵،۲۵ تاریخ کو عرس ہوتا ہے۔

سبزوار سے آگے جنوب میں یہ سڑک دریائے فرہ سے پار "فرہ" کے شہر میں جا پہنچتی تھی۔ اور اس سے آگے یہ کئی شہروں میں گزرتی ہوئی دریائے خوارین کے کنارے پر "بہروری" تک آتی تھی۔ یہاں سے ایک راستہ مشرق رُخ اختیار کرتا تھا جو ہر دریا کے بلند کی شاخوں سے گزرتا ہوا "تہیج دنے" تک جاتا تھا۔ اور وہاں سے یہ سڑک ساتھ ساتھ ہی شمال میں غزنی جاتی تھی۔

سلطان محمود نے غزنی کو آباد کر کے دلہن کی طرح آراستہ کیا تھا جب غریب نوازؒ وہاں پہونچے تو یہاں سلاطین غزنی کی حکومت تھی غزنی میں خواجہ صاحبؒ سلطان المشائخ شیخ عبدالواحد سے ملے اور ایک دوسرے سے اکتساب روحانیت کیا۔

آفتاب اجمیر دوم ختم شد

آفتاب اجمیر حصہ سوم

پہلا باب

ہندوستان کی قسمت کو بدلنے والا آپہنچا

کس شان سے آتا ہے اللہ کا دیوانہ   انداز ہے شاہانہ ساماں فقیرانہ

اللہ والوں کا ایک مختصر گروہ توسن ہمت پر سوار پنجاب کی جانب بڑھ رہا تھا اہل قافلہ کے پھٹے پرانے ملبوسات فقیرانہ سادگی کی داستان بیان کر رہے تھے۔ ان کی آئینہ سے زیادہ صاف منور پیشانیاں عبادت گزاری کا نشان لئے ہوئے۔ ان کی خدا پرستی کی داستان بیان کر رہی تھیں ان فقیروں کے جھرمٹ میں ایک بڑے ہی باوقار بزرگ جن کا سن کوئی پچاس برس کے قریب ہوگا۔ کندھے پر کمان رکھے پشت پر ترکش ڈالے ہاتھ میں عصائے مبارک لئے گرم سفر تھے۔ ان کے تمام ہمراہی بڑے ادب واحترام سے دائیں بائیں اور پیچھے اس طرح چل رہے تھے جیسے ستاروں میں چاند گھرا ہو جہاں وہ بزرگ پاؤں رکھتے تھے۔ وہاں وہ سب آنکھوں کا فرش بچھا دیتے تھے۔ ان کے پسینہ کی جگہ اپنا خون

بہا در زیادہ بڑی سعادت خیال کرتے تھے اور ہر آن و گھڑی ان کے ارشادات
کی تعمیل کے لئے مستعد و تیار رہتے تھے۔ وہ مقتدر بزرگ بہت منکسر
مزاج اور شریف النفس واقع ہوئے تھے کہ کبھی ہم سفر کو کوئی تکلیف
نہ ہونے پاکے اس لئے وہ اپنی ضروریات کے اکثر کام آپ ہی کیا کرتے
تھے وہ اتنے نرم طبیعت رحم دل حساس تھے کہ اگر کسی رفیق کو کوئی
کانٹا چبھ جاتا ہے تو اس کی کھٹک اپنے دل میں محسوس کرتے اور اگر کسی
ہمراہی کو سر درد بھی ہو جاتا وہ اس کی تکلیف سے بےچین ہو جاتے۔

سبحان اللہ وہ فقیری میں بادشاہی لئے ہوئے تھے خاکساری کے
پردے میں سلطانی کے جوہر نمایاں تھے ان کی خرقہ پوشی کی شان
ہی نرالی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گدڑی میں لال ہے ان کے رُخ
انور کی تابانی چودھویں رات کے چاند کو شرما رہی تھی ؎

کب لباس ظاہری میں چھپتے ہیں روشن ضمیر پردہ فانوس میں بھی شعلہ عریاں رہا

رفیقوں سے ماہ منیر جلوہ فشاں ان کا لباس کوئی زیادہ اجلا نہیں
تھا لیکن وہ ایسا پاکیزہ تھا۔ کہ اس کی طہارت کی قسم فرشتے کھاتے تھے
اور ان کی جبین نیاز ہزاروں مسجدوں کی جلوہ گاہ تھی جہاں کہیں
نماز کا وقت ہو جاتا وہیں خدا پرستوں کے قدم رُک جاتے ہیں اور
وضو یا تیمم کرکے اذان کہتے ہیں اور جماعت نماز ادا کرکے اگلی راہ
لیتے اور جس مقام پر رات سیاہ چادر بچھا دیتی یہ قافلہ وہیں شب
باشی کرکے لیٹ جاتے ان کا آرام کیا تھا بمشکل ہی کچھ وقت سونے

کے لئے ملتا ہوگا۔ انہیں تو بات کا اکثر و بیشتر حصّہ تو وہ خدا کے دربار میں حاضری دیتے تھے. اللہ اللہ وہ انسان تھے کہ عرش اعظم کے فرشتے نہیں نہیں وہ فرشتوں سے بھی برتر تھے. کیا اس سے بھی زیادہ کوئی عاشق ہوگا. وہ سارا دن چلتے تھے. اور ساری رات مجاہدہ میں گزار دیتے تھے.

نہ کر تقلید اے جبرئیل میرے جذب و مستی کی تن آسانی عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

بعض اوقات وہ سب ایک حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور ان کے بیچ میں وہ مسند نشیں ولایت فقر درویش افروز ہو جاتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند کے گرد ہالہ ہے. اب وہ معزز بزرگ اپنی زبان فیض ترجمان سے پند نصائح کا ایک دریا بہا دیتے تھے. اکثر اوقات وہ اپنی کتاب زندگی کے پریشان اوراق جمع کرتے ہیں اور ان میں تصویر عبرت کے تمام پہلو نمایاں کر کے سب کو دکھاتے کبھی عشق و محبّت کا دلگداز افسانہ ایسے رقت آمیز لہجہ میں بیان کرتے کہ سب کی آنکھیں اشک آور ہو جاتی تھیں گاہے اپنے پیر و مرشد و دیگر بزرگان عظام کے الطاف و عنایات کا بیان مزے لیکر سناتے اور گاہے اپنے سفر نامہ کا بلادِ اسلامیہ کے دلچسپ حالات و واقعات بنا کر محفل کو گرما دیتے اور اگر ان کی بزم میں قرآنی مسائل کی بحث چھڑ جاتی تو آیاتِ قرآنی کی تفسیر اس حسن و خوبی سے بیان کرتے کہ سننے والوں کو یقین سے یہ ماننا پڑتا تھا کہ وہ دنیا کے بہترین مفسرین ہیں اور اکثر ایسا

بھی ہوا کہ فقہ حدیث اور تصوف کے پیچیدہ و دقیق مسائل کے حل کرنے میں بڑے بڑے دور رس عالم فاضل کان پر ہاتھ دھرتے تھے اس طرح سلجھاتے تھے کہ تمام حاضرین مجلس عش عش کر اٹھتے تھے ۔

فقیر راہ کو بخشیں گے اسرار سلطانی ۔ بہا میری نوا میں حالت پرویز ہے ساقی

الغرض ان کی میٹھی اور لطیف باتیں تمام حاشیہ نشینوں کو مسحور کر دیا کرتی تھی اور ان کی زبانی پر تاثیر سے الفاظ و فقرات اس طرح نکلتے تھے گویا پھول جھڑ رہے ہیں ۔

خیال غالب ہے کہ ناظرین ان مقدس ترین ہستیوں سے واقف ہوں گے اور اگر انہیں جانتے نہیں ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے تو ہم ان معزز محترم بزرگوں کا تعارف کرائے دیتے ہیں ۔ اس محفل عرفان صدر نشینی کی رونق کا باعث حضرت معین الدین چشتیؒ تھے اور آپکی ہمرکابی کا شرف حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ شیخ المشائخ حضرت محمد یادگار سید السادات حضرت خواجہ فخر الدینؒ گردیزی کو حاصل تھا ۔

دوسرا باب

افق ہند پہ آفتاب معرفت کی جلوہ نمائی

افق ہند کے ٹوٹے ہوئے تارو نکلو ۔ کہ وہ خورشید جہاں تاب لب بام آیا

مجاہدین فی سبیل اللہ یہ چھوٹا سا قافلہ منزل بمنزل کوچ کرتا ہوا اس

مقام پر پہنچ گیا جس جگہ ایک طویل سلسلہ کوہ ہندوستان کو افغانستان کی حدود سے جدا کرتا ہے یہ مقام بھی عجیب و غریب مناظر اپنے دامن میں لئے ہوئے تھا قدرت نے وہاں جگہ جگہ گلزار بنا رکھے تھے اس وقت نہایت دلکش سماں آنکھوں کے سامنے بندھ جاتا تھا خود رو پودے رنگا رنگ کے گجرے پہنے ہوئے تھے۔ جنہیں دیکھ کر انسان باغ باغ ہو جاتے تھے۔ کہیں کہیں بلوریں پانی کے بل کھاتے ہوئے چشمے بہتے تھے اکثر مقامات پر آبشاریں گر کر سیماب اگلتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اس سے بہت بڑے اونچے اونچے پہاڑوں پر روئی کے گالوں کی طرح سفید سفید برف نظر آتی تھی جس کی چمک دوپہر کی دھوپ کو شرماتی تھی لیکن عبادت گزاروں کا یہ قافلہ ان تمام نظاروں سے قطع نظر اور کسی قسم کا دلچسپی کا اظہار کئے بغیر اپنے خیالات محو کو آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ عشق خدا میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور دنیا کی دلچسپی و دلفریبی انھیں اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی وہ چاہتے تھے کہ جلد از جلد منزل مقصود پر پہنچ جائیں جو ابھی وہاں سے بہت دور تھی۔ اس لئے وہ قدم بردا اپنی راہ پر چلے جا رہے تھے بعض دفعہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دیو قامت پہاڑ راستہ روکے کھڑے ہیں لیکن جب اپنی دھن میں آگے بڑھتے چلے جاتے تو فلک بوس پہاڑ راستہ چھوڑ کر استقبال کو کھڑے ہو جاتے تھے اور گھاٹیاں قدم چومنے کے لئے بیتاب نظر آئیں۔ الغرض یہ مقدس قافلہ پہاڑوں کے ہیر پھیر سے نکلتا ہوا اور دشوار گزار راہوں اور گھاٹیوں

کو طے کرتا ہوا ہندوستان کے سرحدی علاقہ پنجاب میں داخل ہوا۔

پنجاب کے سبزہ پوش میدانوں نے آپ کو خوش آمدید کہا۔ پانچ دریاؤں کی زمین نے آپ کے قدم چومنے کا شرف حاصل کیا۔ ہری ہری کھیتیاں خدا کے ان برگزیدہ بندوں کو دیکھ کر وجد میں آ رہی تھیں اور جہاں دریا خوشی سے لہریں مارتے بہتے چلے جاتے تھے۔ اور ہوائی سرسراہٹ میں اس وقت مسرت کے نغمے پنہاں تھے۔ لیکن حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسب معمول مسافت طے کرنے میں مشغول تھے حتیٰ کہ اللہ والوں کا یہ قافلہ دریائے راوی کے کنارے پر پہنچ گیا۔ راوی ان دنوں بڑے جوش و خروش سے محو خرام تھا۔ اسکی بیتاب موجیں آ آ کر ساحل سے ٹکراتی تھیں ان کا اندازہ بتایا جا رہا تھا کہ وہ خواجہ صاحبؒ کی قدمبوسی کی تمنا لئے ہوئے جوش عقیدت سے بڑھ رہی ہیں۔ دریا کے اس پار پنجاب کا دارالسلطنت لاہور آباد تھا۔ اور اس کے مندروں اور شوالوں کی اونچی اونچی سنہری کلسیاں دور ہی سے بتا رہی تھیں کہ شہر بڑا عظمت و شان والا ہے۔

خواجہ صاحبؒ اور آپ کے ہمراہیوں نے دریا کو عبور کر لیا اور شہر میں جانے کی بجائے حضرت علی بن عثمان الہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر قیام پذیر ہوئے جو فصیل شہر کے باہر تھا۔ زیارت گاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری کہ خاک راہ میں نے بتایا راز الوندی
حضرت داتا گنج بخشؒ اپنے وقت کے بے مثل عالم و فاضل اور

بہت عابد و زاہد تھے۔ اور آپ کی تمام عمر خدمتِ خلق اور خدمتِ اسلام میں بسر ہوئی تھی اس لئے بعد از وصال بھی آپ کے مزار مبارک پر انوار روحانیت اور خدا کی رحمتوں کی بارش ہو رہی تھی اور لوگ اپنی درگاہ سے مرادوں کی جھولیاں بھر بھر کے لے جاتے تھے۔ چنانچہ خواجہ صاحبؒ فرید کش ہوئے اور اعتکاف میں بیٹھ کر فیوض و برکات روحانی سے بہا حاصل کیا۔ لاہور آگے روانہ ہوئے چنانچہ روانگی سے پہلے آپ نے حضرت داتا گنج کے متعلق اپنے تاثرات کو اس طرح بیان کیا ہے

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یہ شعر اگرچہ بے ساختہ خواجہ صاحبؒ کی زبان سے نکلا تھا لیکن یہ آپ کے جذبات احساسات کا آئینہ دار ہے۔ اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج تک لوگ اسے بطور وظیفہ پڑھتے ہیں۔

غرض جب خواجہ صاحبؒ قصبہ سانا (پٹیالہ) میں پہنچے تو وہاں کے باشندے آپ کی جلالی صورت دیکھکر بظاہر تو چپ رہے لیکن باطن میں آپ کے درپے آزار ہوئے اور دھوکا دیکر آپ کو گزند پہنچانا چاہا ہے

وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا

جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔ خواجہؒ بھی آخر خواجہ ہی تھے۔ اللہ کے بندے اور اللہ کے پیارے جنگی نگہبانی اللہ خود کر رہا تھا۔ حضور غریب نوازؒ بذریعہ کشف معلوم ہو چکا تھا۔ کہ میزبانوں کی نیتیں بگڑ ہی

تھیں۔ اس لئے آپ نے ہمراہیوں کو لیکر وہاں سے روانہ ہوئے اور دشمنوں کی فریب کاری سے بال بال بچ گئے۔ ابھی راہ میں تھے کہ سامنے سے کچھ سوار اور پیادے بے تحاشا بھاگے ہوئے نظر آئے یہ سلطانی لشکر کے خلجی اور پٹھان سپاہی تھے ان کی گھبراہٹ کا اندازہ بتا رہا تھا کہ سلطان شہاب الدین کو شکست ہو گئی۔

تیسرا باب

تراوڑی کی لڑائی

زمیں تھرائی آوازۂ اللہ اکبر سے فروغِ مسلم شوریدہ سر مٹا ہے تندرد کو

جب غزنوی حکومت حالتِ نزع میں دم توڑ رہی تھی تو غیاث الدین اور شہاب الدین کا ستارۂ اقبال چمکا جو غوری کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے قدرت نے غزنوی سلطنت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دیدی غیاث الدین تاج کج کلاہی سر پر رکھ کر تخت سلطنت پر متمکن ہو گیا۔ اور شہاب الدین سپاہی داری کے جوہر دکھا کر بھائی کی اطاعت و فرمانبرداری کا حق ادا کرتا رہا پنجاب کے دارالسلطنت لاہور میں ابھی تک غزنوی حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ شہاب الدین غوری کی لشکر کشی کی ہوا کے ایک ہی جھونکے نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ جب پنجاب کے معرکوں سے فرصت پائی تو خبر آئی کہ بھٹنڈہ قدیم سے راجگان عظیم الشان لشکر دارالسلطنت کو چلا آتا ہے۔ چنانچہ اس پر فوج کشی کی اور جذبہ عظیم کے بعد فتح یاب ہوا

سب باتوں سے فارغ ہو کر ایک دن دربار عام کیا امیر وزیر سپہ سالار اور
سب اپنے عہدوں پر حاضر تھے زیر بحث یہ مسئلہ تھا کہ دار لخلافہ کو چلنے
کے کونسی تاریخ مقرر کی جائے. دفعتاً پتہ لگا اور سرحد کے سرداروں کے عریضے
پہنچے کہ رائے پتھورا والئ اجمیر اپنے بھائی گھانڈے راؤ حاکم دہلی کو ساتھ
لیکر دو لاکھ سپاہیوں کا سات لشکر جرار اور تین ہزار جنگی ہاتھیوں سے جھنڈے
کو چھڑانے کیلئے. آندھی اور بجو چال کی طرح چلا آتا ہے اقبال خداوندی
کی توجہ واجب ہے نہیں تو اس ہندوستان میں ہمارے زن و بچے تباہ
ہو جائیں گے. بادشاہ نے اسی وقت منادی کر دی کہ جبتک اس مہم
کا خاطر خواہ فیصلہ نہ ہو جائے مسلمان باایمان کو غزنی کی طرف قدم اٹھانا
حرام ہے اور ساتھ ہی لشکر کی تیاری کا حکم دیدیا. اور راستہ کے کار
زاروں نے نام سلطانی رسد کے حکم نامے جاری ہو گئے لشکر اسلام دو
منزلہ سہ منزلہ یلغار کرتا ہوا چلا جاتا ہے. کہ ڈیروں سے خبر لگی کہ راجہ کی
فوج ابھی پانی پت تک پہنچی ہے لیکن فیل خانہ کرنال میں آگیا ہے. بادشاہ
نے فوج کو لیس و بیش سے درست کیا اور کوچ بکوچ آگے بڑھا اور ترائن
یعنی تراوڑی کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا دن تو
مورچوں کی درستی میں گزر گیا شام کو سب نے گھوڑوں کے تنگ ڈھیلے
کرکے دانہ چڑھایا اور زین پوش بچھا کر بیٹھ گئے باگ ڈوریں زانوں
سے باندھ لیں خورجیوں سے روٹی نکال کر کھانے لگے ابھی سلطان
خاصے پر ہی تھا کہ گشت کے سواروں نے دشمن کی فوج کے چند گھسارے

اور لکڑہارے جنگل سے پکڑ کر پیش کئے سواروں کو انعام دیکر رخصت کیا اوران کو سپرد کیا کہ جو کچھ مانگیں انہیں کھلاؤ. جب نصف رات گزرگئی سامنے بلایا سب کے سب جنگلی گنوار تھے. مگر دو بڈھے بڑے ہوشیار نکلے ان سے فوج کے اتارنے کا رُخ اس کے پیسے کی رسد کا بندوبست ڈیرے ڈبر کا حال معلوم کر لیا تمام رونے فوج کی قسمت اور مورچوں کی تقسیم میں گزرچی بہ پہلی رات کو کمر بندی کا حکم پہنچا اور دائیں بائیں پر ہر سردار اپنی فوج کو سنبھالے تھا خود صاحب لشکر زرہ بکتر آئینہ بنے سر پر خود فولادی کمر میں شمشیر عربی گھوڑا اونچا چلنے پا کھڑی پڑی تھی رانوں میں سے نکالا جاتا تھا۔

رائے پتھورا نے بھی خوب لشکر ترتیب دیا تھا. اس کے پہلے ہاتھیوں کی قطار اسکے بعد رتھیں اور سوار فوج تھی جسکی تعداد کاتب تقدیر کے کوئی نہیں جانتا اس کا سلسلہ انتظام ایک شخص کی چٹکی میں تھا اس کے درمیان راجہ بہادر پرتھوی راج سے راجپوتی ایک پیچ بھوں پر رکھے کمر میں ایک طرف تلوار دوسری طرف کھانڈا اور غور سے دیکھ رہا تھا آخر وہ نہ رہ سکا اور دائیں بائیں اور ایک چکر لگایا اور لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر ان کے دلوں میں اس طرح بڑھایا۔

اے راجپوتوں کے سپوتو افغان اور تاتار کے ترکوں سے سامنا ہے. ابھی تک تمہاری سرحد پر کھڑے ہیں اگر ہمت کرو تو کچھ حرج نہیں جرگوں کی طرح پہاڑیوں میں بھگا بھگا کر مار لو گے اور تمہارا ایک قدم بھی ہٹا تو ان کے قدم ہمارے گھر میں ہوں گے. مارو. مارو جانے نہ دو۔

راجہ کی تقریر ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ لشکر سلطانی کے بائیں ہاتھ جو افغان پر جمائے کھڑے تھے۔ ان میں حرکت ہوئی اور آگے بڑھے خلجیوں نے بھی گھوڑوں کی باگیں اٹھا لیں انھیں دیکھ کر راجپوت بہادروں کے سپوت جن کی تلواریں میانوں میں مچھلی کی طرح تڑپی جاتی تھیں۔ ہاتھوں کی صف چیر کر نکل آئے اور تیر برساتے ہوئے دوڑے اور ایک دم فوج شاہی کو برچھیوں پہ لے لیا افغان پیچھے ہٹے اور خلجیوں نے بھی گھونگھٹ کھولا لیکن سپہ سالار لشکر اسلامی اسطرح قلب میں جما ہوا تیر پر تیر مارنے جاتا تھا۔ جو ایک مصاحب نے آکر خبر دی کہ خلجیوں اور افغانوں نے پیٹھ دکھائی جن نمک خواروں پر پسینہ کی جگہ خون گرانے کی امید تھی وہ جان بچا کے بھاگ گئے۔ حریف بڑھا چلا آتا ہے حضور کس کی راہ دیکھتے ہیں۔ برائے خدا گھوڑے کی باگ پھیریئے اب لاہور چل کر اندیشوں کا قرار واقع بندوبست ہو جائے گا۔ یہ سُنتے ہی سلطان شعلے کی طرح بھڑک اٹھا۔ رہی سہی فوج کو سمیٹ کر للکارا اور گھوڑے کو ڈپٹ کر بجلی کی طرح دشمن پر جا پڑا۔ نیزے اور شمشیر سے گزر کر خنجر اور کٹار پہ نوبت آ گئی اتنے میں کھانڈے راؤ کی نظر بادشاہ پہ پڑی فیل بان کو آواز دی خبردار جانے نہ پائے۔ اس کے ہاتھی تیز دل بہادر سلطان بھی جھک کر اس طرح جھپٹا کہ گھوڑے کے اگلے پاؤں ہاتھی کے مستک پر جا بیٹھے۔ اور اس کے منہ پر ایسا نیزہ مارا کہ اس کے دانت ٹوٹ گئے مگر خود بھی کاری کھایا ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا ہی چاہتا تھا۔ ایک غلام باوفا گھوڑے سے جست کر کے پیچھے جا بیٹھا اور گھوڑا اڑ کر برق کی طرح نظروں سے غائب ہو گیا

غزنی بھاگ گئے بھگوڑے سپاہی اور لوٹ مار کرتا ہوا واپس پھر لاہور آیا اور یہاں ملک کا بندوبست کر کے غزنی کو روانہ ہوا اس لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ جن جن سرداروں کو بہادری اور جانثاری کے بڑے بڑے دعوے تھے اور سلطان کو بھی ان پر بھروسہ تھا۔ وہ ہی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ چنانچہ وہاں پہونچکر علما سے فتویٰ طلب کیا جو مسلمان میدان سے بھاگ گئے اس کے ملئے حکم کیا ہے سب نے جواب دیا وہ گنہگار، غدار ہے۔ بادشاہ حکم شروع ہاتھ میں لیا اور تمام سرداروں کو گرفتار کر کے جو اور چنے گھوڑے کے توبروں میں ڈال کر ان کے منہ پر چڑھوا دیئے اور بازاروں میں چھوڑ دیا تاکہ خاص و عام کو عبرت ہو اور کھانا جو نہ کھائے گا۔ اس کا سر الگ کر دیا جائے گا۔ پھر یہ حکم منسوخ کر دیا مگر دربار میں آنا بند کر دیا۔

چوتھا باب

ہند میں اللہ والوں کا صبر و استقلال

کیا جنہوں نے محمدؐ کے دین کو رسوا وہ ہونے والے ہیں خود بھی ذلیل و خوار

خدا کی شان سلطان کو شکست کیا ہوئی۔ ہر کلمہ گو کی جان و مال عزت و آبرو ان کے ہاتھ محفوظ نہ تھی۔ ان حالات میں خواجہ صاحبؒ کو کن کن صبر آزما اور حالات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ ان تمام مصائب و مشکلات کے باوجود عاشقوں کی ٹولی کو کچھ پرواہ نہ تھی یہاں تک

کہ ان کی جبین استقلال پر ایک بل نہ پڑا ے

ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم   کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند

کیونکہ وہ تو امتحان عشق و محبت میں کامیاب ہو کر اپنے محبوب کو خوش کرنے کا ولولہ دلمیں لئے ہوئے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دربار میں وہ بڑی بے فکری ولا پرواہی سے گامزن تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے انھیں صبر و استقلال کی انتہائی آزمائش میں ڈال دیا تھا جس میں وہ حیرت انگیز طور پر ثابت قدم رہے۔ خواجہ صاحبؒ اور آپ کے باہمت ہمراہی گھروں سے جہاد بالنفس اور جہاد باللسان کی غرض سے نکلے تھے اسی لئے انھوں نے غیر مسلموں کی راجدھانی میں قدم رکھتے ہی خدا کے سچے دین کا چرچا شروع کر دیا تھا ے

مسلماں ہے تو دنیا میں خدا کا نور پھیلا دے   حریم خواجۂ یثرب کی مٹی کا دیا لیکر

آپ نے بڑی نرمی و ملائمت سے تبلیغ و ہدایت کا کام شروع کیا کیونکہ آپ کے دل و دماغ میں خدا کا یہ تاکیدی حکم محفوظ تھا۔ لا اکراہ فی الدین اور بظاہر آپ کے پاس سختی کا کوئی سامان بھی نہ تھا البتہ آپ کے پاس زبان کی تلوار ایسی تھی جس طرح کی تاثیر سے غیر مسلموں کے دل متحیر ہو رہے تھے۔ جو سنجیدہ پیشانی اپنا دل و جان آپ کے حوالے کر دیتے تھے۔ یعنی وہ بخوشی جوق جوق دین محمدی قبول کرنے لگے اور اسی شان سے آکر اللہ والوں کی یہ مختصر ٹولی دہلی میں داخل ہوئی ے

بہار آئی ہے اک آئینہ معنی نشاں ہو کر   چمن میں بوئے گل پھیلی ہے تیری داستاں ہو کر

حضور غریب نوازؒ جس وقت دہلی میں آئے یہ موجودہ دہلی نہ تھی اور نہ وہی قدیم دہلی تھی جسے اندر پرست کہا جاتا تھا اور جس کے کھنڈرات اب بھی دہلی سے متھرا جانیوالی سڑک پر تین میل کے فاصلہ پر اس کی گذشتہ شان و شوکت کا افسانہ بیان کر رہے ہیں بلکہ خواجہ غریب نوازؒ کے زمانہ میں وہ دہلی آباد تھی جو رائے پتھورا کے قلعہ اور لال کوٹ کی آبادی پر مشتمل تھی اور جس کا صحیح محل وقوع اس جگہ پر تھا جہاں آجکل قطب صاحب کی لاٹ ہے۔

لال کوٹ کو راجہ اننگ پال تونڑم نے سمت ١١٠٩ مطابق ١٠٥٢ء میں بسایا تھا۔ اس راجہ کی دو بیٹیاں تھیں جن میں ایک تو قنوج کے راجہ کے محل کی زینت ہوئی جس کا بیٹا راجہ جے چند تھا اور دوسری اجمیر کے چوہان راجہ کی آنکھ کا تارا بنی اس کے بطن سے پرتھوی راج پیدا ہوا جسے رائے پتھورا بھی کہتے ہیں۔ یہ بڑا چست و چالاک اور ہونہار تھا۔ راجہ نے اسے منہ بولا بیٹا بنا لیا چنانچہ باپ کا سایہ سر سے اٹھتے ہی اس کی گدی پر براجمان ہو کر پرتھوی راج اجمیر کا راجہ بنا اور جب اسکے نانا نے پران چھوڑے تو دہلی کے راج دربار کو بھی اس نے رونق بخشی جس سے وہ مہاراجہ کہلانے لگا۔

رائے پتھورا کے عہد حکومت میں دہلی کی رونق و وسعت اتنی بڑھ گئی کہ دلی اس میں بطور ایک قلعہ کے آگیا۔ اس دہلی کی فصیل کا دور چار میل تھا جسکی دیواریں خندق سے ساٹھ فٹ بلند تھیں اور ان کی چوڑائی تین فٹ تھی اور یہ تمام آبادی رائے پتھورا کا قلعہ کہلاتی تھی۔

خواجۂ ہند والوں کی سرگرمیاں

اللہ والوں کی اس بے مثال جرأت کا اندازہ تو لگاؤ کہ دشمنان اسلام کے شہر میں داخل ہوئے مگر نہ ان کے پاس کوئی شمشیر و نیزہ تھا اور نہ ہی زرہ ڈھال کہ حریفوں کے مردانگی کے جوہر دکھلانے کے ساتھ ہی اپنی مدافعت بھی کرتے لیکن وہ خدائی اسلحہ خانے کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آئے تھے جو بہت کم خوش نصیبوں کو عطا کئے جاتے ہیں اس کا مفہوم ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے صرف ایک شعر میں بیان کر دیا ہے ؎

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم　　جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

فتح مندی کی خوشی سے اہل دہلی اس وقت پھولے نہ سماتے تھے کامیابی کی ہوا ان کے اسلامی دشمنی کے شعلوں کو اور بھی بھڑکا رہی تھی اور وہ مسلمانوں کے خلاف اس قدر مشتعل ہو رہے تھے کہ ان کو دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ لیکن غریب نوازؒ نے ان سب باتوں کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہ کی اور بالکل بے دھڑک ہو کر دہلی میں چلے آئے تاکہ ظلم وستم بچائے ؎

جلایا اس نے مردوں کو باذن اللہ قم کہہ کر　　جگایا اس نے ایک آواز میں ہندوستاں بھر کو

مسلمان فقیروں کے اس گروہ کو دیکھ کر تمام دہلی میں خوش وغضب کی لہر دوڑ گئی اور نفرت وحقارت کے جذبات کا ایک طوفان برپا ہو گیا لیکن حضور غریب نوازؒ کے نورانی چہرے سے ٹپکنے والے رعب وجلال کے باعث کسی بے دین کو جرأت نہ ہوئی کسی قسم کا گزند پہنچا سکے آخر کار

معززین شہر کا ایک وفد کھانڈے راؤ حاکم شہر کے پاس گیا اور عرض کیا مسلمان فقیروں کی آمد سے ہمارے تمام دیوتا ناراض ہو رہے ہیں۔ اگر آپ نے انہیں پہلی فرصت میں خارج از بلند کیا تو ڈر ہے کہ دیوتاؤں کا قہر سلطنت کی تباہی کا موجب نہ بن جائے۔

بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ کھانڈے راؤ سنکر خاموش بیٹھا رہے اور حکم دیا کہ انھیں فوراً دہلی سے نکال دیا جائے۔

ایک ایک قدم پر ہے جہاں خندۂ تقدیر تدبیر گزرتی ہے اسی راہ گزر سے

لیکن اسکی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی کیونکہ حکومت کے کارندے جب عملی کارروائی کرنے کیلئے آپ کے پاس آتے تو آپ کے اعلیٰ اخلاق اور مواعظ حسنہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر آپ کے جاں نثاروں میں شامل ہو جاتے۔ چنانچہ تھوڑے دلوں میں ہی سینکڑوں بہادر راجپوت اسلام میں داخل ہو گئے۔

نگاہیں کاملوں پر پڑتی جاتی ہیں زمانے کی کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

اب کیا تھا۔ ان کی دشمنی محبت میں بدل گئی اور آپ کی بزرگی و کرامات کا چرچا سُن کر عرف ہندوں کا تانتا لگ گیا۔ جب خواجہ صاحبؒ نے دیکھا کہ اب دہلی میں اسلام کی کافی تخم ریزی ہو گئی ہے تو اپنے خلیفہ اکبر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو تبلیغ و ہدایت کیلئے وہاں چھوڑا اور خود اجمیر کو روانہ ہوئے۔

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی گھر میرا نہ دلی نہ صفاہان نہ سمرقند

پانچواں باب

رانی کی دُور اندیشی

مسندِ دولت اقبال کو خالی کر دو آج محفل میں محمد کا غلام آتا ہے

آہ بھارت دیش تیری تباہی تیرے سپوتوں کی بربادی کی گھڑیاں قریب آ رہی ہیں۔ رائے پتھورا کی ماں نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

ماتا۔ ماتا! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ رائے پتھورا نے گھبرا کر پوچھا۔

بیٹا کیا کہوں؟ بات کہنے کی نہیں۔ ماں نے سرد آہ بھر کر کہا اور زائچہ کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

رائے پتھورا کو اب انتظار کہاں تھی جھنجلا کر بولا آپ بھی غضب ڈھا رہی ہیں۔ ماتا صاف صاف کیوں نہیں کہتی اور رک کیوں گئی ہیں۔ ماں نے اپنی غمزدہ نظریں رائے پتھورا کے ہمہ تن چہرے پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔" آہ (آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آسمان کے یہ چمکتے ہوئے ستارے زبان حال سے میری خانہ ویرانی کا حال کہہ رہے ہیں۔ آکاش پر میری آنکھیں اپنی بربادی کا نقشہ دیکھ رہی ہیں اور مجھے اپنے علم و حساب کی صحت میں شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں رائے پتھورا نے اپنی لمبی لمبی اور بل کھائی ہوئی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ کیا کوئی غنیم چڑھ آیا ہے۔ ماتا آپ فکر نہ کریں خواجہ بے چند کتنا ہی کتنا ہی لاؤ لشکر

لے کر کیوں نہ چڑھ آئے سنجوگتا کی ہوا کو بھی نہیں پہونچ سکتا اور جب تک میری رگوں میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے۔ اور جب تک چوہان سپاہیوں میں سے ایک شخص بھی زندہ ہے کوئی شخص سنجوگتا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا (آخر الفاظ راجہ نے بڑے زور سے کہے)

بھولے راجہ! تم میرا مطلب نہیں سمجھتے۔ میرا اشارہ جے چند کی طرف نہیں بلکہ ماں فرطِ غم سے کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

تو پھر اور کون ہے ماتا! تم بھی آج بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔ آپکی گفتگو میری سمجھ اور ادراک سے بالاتر ہے (طنزیہ طور پر) ماتا تمہیں میرے سر کی قسم ذرا کھول کر بیان کرو۔ راجہ نے مضطربانہ لہجہ میں کہا۔

ماں بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ بیٹیا بات ہی کچھ ایسی ہے کہ کہی نہیں جاتی۔ مجھے نجوم کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ عنقریب ایک مسلمان فقیر آئے گا اور اگر تو اس سے الجھنے کی کوشش کریگا تو وہ تیری حکومت ناش کر دے گا۔

بس اتنی سی بات ماتا جس کے لئے آپ پریشان ہو رہی ہیں۔ رائے پتھورا نے طنزیہ لہجہ میں مسکراتے ہوئے کہا۔ آہ میرے لال تم نہیں جانتے جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں "فقیر فقیر نہیں بادشاہ ہے نہ کوئی جادوگر ہے جو اپنی میٹھی زبانوں سے لوگوں کا من موہ لیتا ہے۔ اسکی حکومت لوگوں کے جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر ہے۔ وہ تنہا ہے۔ لیکن اس کے پاس ایک ہی طاقت ایسی ہے جو بڑے بڑے ہتھیاروں کے بے دست و پا

کر دیتی ہے۔ دشمنوں کو موم کر لیتی ہے۔ اور دوستوں کو جاں نثار فدائی بنا لیتی ہے"۔ ابھی اس کی بات ختم نہ ہونے پائی تھی کہ راجہ کے تیور بدل گئے اسکی رگوں میں راجپوتی خون دوڑنے لگا۔ اس نے تلوار کو میان سے نکالتے ہوئے کہا۔

ماتا مجھ میں جس وقت تک اس تلوار سے کام لینے کی طاقت ہے اور جب تک کہ میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے کسی دشمن کو اتنی جرات نہیں ہو سکتی کہ میری حدود راجدھانی میں قدم رکھ سکے۔ اور اگر کسی مسلمان کو موت کی تمنا یہاں تک کھینچ کر لے آئی تو اس کی خواہش بخندہ پیشانی پوری کر دی جائے گی۔

"نہ بیٹا ایسا نہ کرو فقیروں سے الجھنا اچھا نہیں تیری ذرا سی غلطی ہماری تباہی کا سبب نہ بن جائے"۔ ماں نے لجاجت آمیز لہجہ میں کہا۔ ماتا کیا آپ ترادڑی کے معرکہ کو اس قدر جلد بھول گئیں۔ جہاں راجپوت سورماؤں نے صرف مار بھگایا تھا۔ بلکہ میلوں تک ان کا پیچھا کر کے کشتیوں کے پشتے لگا دیئے اس وجہ سے وہ کبھی بھول کر ادھر آنے کا نام نہ لیں گے"۔ راۓ پتھورا نے بڑے فخر سے جواب دیا ماحتا کی ماری ہوئی ماں محبت آمیز لہجہ میں بولی۔ آہ میرے نور نظر تیری اٹھتی ہوئی جوانی کے جوش اور بہادری و حکومت کے غرور نشہ سے مجھے ایسا اندھا کر دیا بہرہ بنا دیا ہے کہ تو اپنی ماتا کی باتوں پر دھیان نہیں دیتا اور مجھے خوف ہے کہ تیرا یہ اکھڑ پن

ہمیں ذلت و تباہی کے گڑھے میں نہ ڈھکیل دے۔
یا رب وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھکو زبان اور

تو پھر کیا کروں ماتا؟ تمہاری باتیں میرے لئے معمہ سے کم نہیں۔ تم تو ایک فقیر سا کہہ رہی ہو۔ اگر کوئی بادشاہ بھی اپنے لاؤ لشکر کو لیکر آئے تو اس کا رشتۂ جان بھی جسم سے جدا نہیں جائے گا۔ رائے پتھورا نے بڑے جوش میں آکر کہا۔

ماں نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا میرے لال ایسا نہ کرنا غصہ تھوک دو ان خیالات کو دل و دماغ سے نکال دو اگر کوئی مسلمان یہاں آبھی جائے تو یہاں تمہارا کیا حرج تمہیں چاہئے کہ اس کی تواضع کرنا اور بڑی نرمی سے پیش آنا تاکہ اسے تکلیف نہ ہونے پائے۔

"بس چپ رہو ماتا! تم مجھے بزدلی اور بے غیرتی کا سبق دے رہی ہو پرماتما کی قسم بہ نفوی راج سے یہ نہیں ہو سکتا کہ دشمن کو اپنی مملکت میں امن و چین سے زندگی بسر کرا دے۔ راجہ نے طیش میں آکر کہا۔

ماں کو بھی غصہ آگیا۔ اور بولی نادان بچے آج تو اپنی ماتا کے نصیحتوں کو ٹھکرا رہا ہے۔ لیکن کل ایک وقت ایسا آئیگا کہ تو ان کی باتوں کو یاد کرکے روئے گا۔ مگر افسوس کہ تجھے پچھتانے کا موقع بھی نہ ملے گا۔ وقت بھاگے چلے ہیں دن ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر گزرتے گئے اور یہ باتیں راجہ کے دماغ میں محو ہو گئیں مگر ان کی ماں غم میں گھلی جاتی تھیں ایک روز کا واقعہ ہے کہ راجہ زرق برق لباس پہنے دربار لگائے سنگاسن پر

بیٹھا تھا خادم نے آکر عرض کیا۔ مہاراجہ کے شتر خانہ کے ساربان کچھ عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئے اور دربار میں حاضر ہوئے۔ راجہ نے حکم دیا۔ انہیں اندر لے جاؤ۔ ساربانوں نے عرض کیا ان داتا کل مسلمان فقیروں کا ایک جتھا اجمیر میں آیا۔ اور انہوں نے اس جگہ پر ڈیرا ڈالا جہاں مہاراج کے اونٹ بندھتے ہیں ہم نے انہیں وہاں سے اٹھا دیا ان میں سے ایک فقیر نے جو غالباً ان کا گرو تھا کہا کہ اچھا یہاں تمہارے اونٹ ہی بیٹھے رہیں گے اور جلد یئے حسب معمول رات کو وہاں اونٹ آکر بیٹھے۔ صبح جب اٹھایا تو وہ نہ اٹھے ہزار کوششوں کے باوجود زمین سے ابھی تک چمٹے ہوئے ہیں مہاراج ہماری امداد فرمایئں۔ اس واقعہ کو سن کر دربار سناٹے میں آگیا عنان سلطنت ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا اور راجہ کو کھٹک گیا ماں جن کی بات کہتی تھی یہ وہی ہیں۔

چھٹا باب

سلطان الہند اجمیر میں

سایہ کی طرح ساتھ پھیریں سرو صنوبر ۔ تم اس قدر دلکش ہو کر گلزار میں آؤ

خواجہ غریب نواز دہلی سے روانہ ہوئے تو آپ کے ہمراہ چالیس باوفا جاں نثار مرید تھے راہ میں آپ قصبہ قصبہ اور قریہ قریہ میں لوگوں سے توحید و رسالت کا اقرار کراتے ہوئے اجمیر کی طرف چلے۔

زندہ طیبہ کی روایات ترے نام سے ہیں　　بھول سکتی نہیں ملّت کبھی احساس تیرا
تیرے خرقے میں لگے دیکھے ہیں میں نے پیوند　　گو کچھ بھی نہیں کم کچھ بھی ہے ساماں تیرا
پاسباں جبکہ ہے اسلام کی ناموس کا تو　　کس لئے پھر نہ ہو اللہ نگہباں تیرا

جو جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیر سے قریب تر ہوتے جاتے تھے۔ دریائے صادقہ کی تعبیر حقیقت بن کر نظر آ رہی تھی۔ آخر ایک ایسا دن آیا کہ اجمیر کی پہاڑیاں نظر آنے لگیں۔ اور تارا گڑھ کا قلعہ سامنے ہی تھا معلوم ہوا کہ اس میں اجمیر آباد ہے۔ الغرض راستوں کے ہیر پھیر سے نکلتے ہوئے آپ اجمیر سے باہر دامن کوہ میں اس جگہ پر پہونچے جہاں راجہ کے اونٹ بندھتے تھے۔ آپ ذرا ستانے کیلئے وہاں بیٹھ گئے۔ کہ اتنے میں چند ساربانوں نے بڑی درشت لہجہ میں کہا کہ یہاں سے اٹھ جائیے اس جگہ راجہ کے اونٹ بیٹھتے ہیں۔

رندانِ مے پرست ہوا مست ہی سہی　　اے شیخ گفتگو تو شریفانہ چاہئے

لیکن حضور نے بکمال مہربانی فرمایا۔ لو بابا ہم یہاں سے اٹھ جاتے ہیں۔ تمہارے اونٹ ہی بیٹھے رہیں گے۔ پھر آپ نے اگلا راستہ لیا اور اناساگر کے کنارے پر جا کر ڈیرا ڈال دیا۔ صبح کو عجب تماشہ ہوا۔ جب ساربانوں نے اونٹوں کو اٹھایا تو وہ نہ اٹھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین نے انہیں پکڑ لیا ہے۔ ساربان بہت گھبرائے اور دوڑے راجہ کے پاس فریاد لیکر آئے راجہ نے جب ان کی زبانی یہ عجیب و غریب داستان سنی تصویر حیرت بن گیا۔ اگرچہ اسے اپنی

بہادری پر بڑا ناز تھا لیکن خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اس پہلی ہی کرامت
سے اس کی ساری بہادری دھری کی دھری رہ گئی ہے
آئینہ دیکھ اپنا منہ لیکے رہ گئے صاحب کو دل نہ دینے پر کتنا غرور تھا
اس کا دل دہل گیا اور اسے ماں کی باتیں ایک ایک کر کے یاد آگئیں
اور ساربانوں کو جواب دیا جاؤ اس فقیر سے معافی مانگو جس کی بددعا
کا یہ نتیجہ ہے تاکہ اونٹ اٹھ کر کھڑے ہوں ہے
ہمت بلند تھی مگر افتاد دیکھنا چپ چاپ آج محو دعا ہو گیا ہوں میں
چنانچہ سب ساربان حضور غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور
نہایت عاجزی اور انکساری سے اپنی بپتا سنائی۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا
جاؤ خدا کی مہربانی سے تمہارے اونٹ اٹھ بیٹھیں گے۔ جب ساربانوں
نے واپس آکر اونٹوں کو دیکھا تو سب کے سب اٹھ کھڑے ہو گئے تھے۔
اناساگر تالاب کے کنارے جہاں غریب نوازؒ نے قیام کیا تھا وہیں
حضرت خواجہ صاحبؒ کے ہمراہی وضو کرنے کے لئے آیا کرتے تھے اور
وہ نماز پڑھتے تھے وہاں کے لوگوں کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور
راجہ کے پاس جاکر شکایتیں کریں اور کہا کہ ایک مسلمان فقیر اور اس
کے چند ساتھی اناساگر کے قریب آکر ٹھہرے ہیں اور وہ کسی کے ہٹائے
نہیں ہٹتے اس کی خبر لوگوں نے حضرت کو پہنچائی تو حضورؒ نے فرمایا
جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا

شادی دیو اسلام کی چوکھٹ پر

سجدہ گاہِ سرکشاں ہر ہے یہ آستاں تیرے در پر تن کو مغروروں نے سر رکھ دیا

ادھر راجہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جا کر فقیروں کو تالاب کے قریب سے ہٹاؤ ملازمان یہ حکم پاتے ہی غریب نواز کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور نہایت سخت لہجہ میں کرخت جملوں سے ان کو وہاں سے ہٹ جانے کا مطالبہ کیا۔ اگر نرمی اور ملائمت سے وہ کچھ کہتے تو شاید ہٹ جاتے۔ مگر ان کا مطالبہ تو تھا کہ آپ اجمیر بدری ہو جائیں جو ناممکن تھا کیونکہ آپ کو تو شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے اجمیر رہنے کا حکم تھا اس لئے اس غیر معقول مطالبہ کو ماننا ناممکن تھا چنانچہ جب پجاریوں اور لوگوں کا ہجوم آپ کو اور آپ کے ہمراہیوں پر حملہ کرنے کے لئے چلا تو آپ نے کچھ تھوڑی سی خاک اٹھا کر اس پر آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کی اور دشمنوں پر پھینکی جس پر اس خاک کے ذرات پڑے وہی دیوانہ ہو گیا جس کو اس کی ہوا لگی وہ وہیں خشک ہو کر رہ گیا باقی لوگ بھاگ کر راجہ کے دربار میں روتے پیٹتے پہنچے اور سب کچھ کہہ سنایا۔ بعض لوگوں نے جادو شاہی مندر میں جا کر پناہ لی جہاں کا سب سے بڑا پیشوا شادی دیو جو کل پجاریوں کا افسر اور اہلِ ہنود میں بڑا فاضل تھے اور اس کا اثر و اقتدار تمام رعایا پر تھا یہاں تک کہ راجہ پرتھوی راج پر بھی تھا

اس نے خواجہ صاحبؒ کی زبردست مخالفت کی اور مسلمانوں کو انا ساگر سے پانی پینے کو منع کیا جو وقت فسادی دیو حضور کے سامنے آیا دہاں سے ہٹانے کیلئے تو جمال و جلال خواجہؒ سے اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً حضورؒ کے قدموں پر گرا اور نہایت عاجزی سے معافی کا طالب ہوا فوراً حضورؒ کے دستِ حق پر اسلام کا حلقہ بگوش ہوکر توبہ کرلی ان کے ہمراہیوں میں سے بھی اکثر بخات میں شامل ہوگئے اس واقعہ سے اجمیر اور اور اہل اجمیر پر بہت اثر ہوا۔ اور راجہ پرتھی راج متفکر ہو گیا۔

حق اور باطل کا فیصلہ کن معرکہ

ذرہ کے ساتھ جنگ ہے یہ آفتاب سے ... خفاش یہ روز شاہ خاوراں سے جنگ
توحید کے علم کو جھکانے کے حوصلے ... جو قدسیوں کیساتھ ہے اس انساں سے جنگ ہے

راجہ کی ماں نے ایک بار پھر سمجھانیکی کوشش کی وہ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس نے خواجہ صاحبؒ کے مقابلہ کے لئے اپنے گرو کی طرف رجوع کیا جس کا نام اجے پال تھا نامی جوگی بڑا جادوگر تھا اور اجمیر کے قریب ہی جنگل میں رہتا تھا۔ نجوم رمل جفر اور دیگر علوم کی تعلیم بھی دیتا تھا اس کے بہت سے چیلے تھے جب اسے پتہ چلا تو وہ راجہ کے دربار میں آیا راجہ نے کل واقعہ اس سے بیان کردیا۔ جوگی حضورؒ کی ان کی کرامات کو شعبدہ بازی اور ساحرانہ

کیفیات سمجھا۔ اور راجہ کو اطمینان دلایا کہ اس فقیر کو یہاں سے نکال دو نگا
جب غریب نوازؒ کے خادم پانی لینے کیلئے تالاب پر گئے تو لوگ بڑی سختی سے
پیش آئے لوگوں نے حضورؒ کو اطلاع دی۔ آپ نے شادی دیو کو بلا کر حکم دیا
کہ جاؤ اناساگر سے ایک مشکیزہ پانی کا بھر لاؤ۔ بموجب ارشاد عالی شادی دیو
گئے اور تالاب سے مشکیزہ جو بھرا تو اس میں سارا پانی تالاب کا سما گیا اور
تالاب بالکل ہی خشک ہوگیا۔ اس واقعہ سے سارے شہر میں کھلبلی مچ گئی۔
اور لوگ پیاس سے پریشان ہو گئے۔ اجے پال نے جب یہ ماجرا دیکھا تو
خود اپنے جادو کے زور سے کوشش کی کہ پانی تالاب میں مہیا کیا جائے
مگر ناکام رہا آخرکار ہار کر خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض
کیا کہ آپ فقیر ہیں اور فقیر رحم دل اور خدا ترس ہوتے ہیں اور خلق خدا
رحم کی امیدوار ہے پانی کے لئے خلقت پریشان ہے۔ اپنی فقیری کی آبرو
رکھتے ہوئے پانی ہم پر بہا دیجئے۔ یہ سنکر دریائے کرم جوش میں آیا اور آپ
نے شادی دیو کو حکم دیا کہ جاؤ مشکیزہ کھول کر تالاب میں الٹ دو۔ پانی
تالاب میں الٹتے ہی تالاب پر ہوگیا اس کے بعد جے پال جوگی حضور کے مقابلہ
کے لئے تیار ہو گئے اور اپنے شاگردوں کی مذموم حرکات سے پریشان تھے
اسی وقت آپ نے فوراً ایک حلقہ کھینچ کر اپنے رفیقوں سے کہا کہ اس سے
باہر مت جانا۔ اب مسلمان محفوظ ہو گئے۔ جوگی کے شاگردوں نے سحر ساحری
کے کرتبے دکھائے۔ جادو کے زور سے پتھر برسائے مگر آپ کے ساتھیوں
کو کوئی نقصان نہ ہوا اور آپ کے ساتھی حلقہ میں بیٹھے رہے اس بات

پہونچتے رہتے تھے۔ اب انہوں نے ایسا جادو کیا کہ ہزاروں سانپ پہاڑوں سے اتر کر خواجہ صاحبؒ کی طرف آئے لیکن جب وہ سانپ حلقہ کے قریب آئے تو مر جاتے جب شادی ناکام رہے تو استاد نے اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا اور ہر قسم کے طوفان برپا کئے۔

سپے ہیں اور بھی فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم ہے میری آستیں میں ہے ید بیضا

حلقہ کے قریب جاتے جاتے سب کچھ غائب ہو جاتا ہے۔ جب جوگی کا کوئی بس نہ چلا عاجز آ گیا تو غصہ سے بیتاب ہو کر حضورؒ سے عرض کیا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ فقیری میں تمہارا کیا مرتبہ ہے" آپ نے فرمایا مقابلے کے بعد تجھے خود علم ہو جائے گا۔ ابھی جتنے حربے اور کمالات تجھ میں ہوں وہ دکھلاؤ یہ سنکر وہ بھی غصہ میں بھر گیا اور اسی جوش میں اپنا مرگ چھالا نکالا ہوا پر پھینک کر اور اچک کر اس پر بیٹھ کر اور ہوا میں معلق ہو کر جب وہ بہت بلند ہو گیا اور نگاہوں سے اوجھل ہونے لگا تو آپ کے ساتھیوں کو کھٹکا ہوا کہ معلوم نہیں اوپر جا کر کیا آفت برپا کرے گا۔ مگر حضور غریب نوازؒ اس کی حرکت پر مسکرا رہے تھے آپ کو لوگوں نے توجہ دلائی تو آپ نے اپنی نعلین چوبی کھڑاؤں کو اشارہ کیا وہ بھی فوراً بہت تیزی کے ساتھ ہوا میں بلند ہونے لگیں اور پرند کی طرح اڑتی ہوئی آسمان کی طرف اس کے پیچھے گئیں اور اچے پال جوگی کے سر پر جا کر پڑنے لگیں جوگی ہر چند اپنے بچاؤ کی کوشش کرتا رہا تھا چھٹکارا نہ پاتا تھا۔ ہر ضرب

یں جوگی نیچے اترتا تھا۔ حتیٰ کہ اتنا عاجز ہو کر نیچے اتر کر حضور خواجہ کے قدموں
پہ گر پڑا۔ حقیقت یہ تھی کہ علوم سفلی کا ماہر علوی متبحر سے مقابلہ تھا کہاں تک
تاب مقابلہ لاتا نتیجہ یہ ہوا جو ہونا تھا یعنی حضور سے اپنی گستاخیوں کی نہایت
عاجزی اور منت خوشامد سے معافی مانگی اور اپنے افعال مذمومہ سے
توبہ کر کے پناہ چاہی اور حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کی خواہش
کا اظہار کیا۔ خواجہ نے کمال مہربانی سے اسے معاف کر دیا۔ اور حلقہ
بگوش اسلام ہو کر حضور والا کے غلام میں داخل ہو گئے۔

ہر ایک وقت کے دانا کو اور سکندر کو　　اپنے قصر کا دربان بنا کے چھوڑ دوں گا

پھر اس نے التجا کی کہ حسب وعدہ حضور اپنے مدارج اعلیٰ سے
فدوی کو آگاہ فرمائیں حضور نے مسکرا کر فرمایا "آنکھیں بند کرو" جب
انہوں نے آنکھیں بند کیں تو دیکھا کہ حجابات حقیقت اور پردہ ہائے
رموز اٹھنے شروع ہو گئے عالم برق بام ہائے افلاک حتیٰ کہ عرش معلیٰ
تک کی سیر کرا دی جب اس کی طبیعت سیر ہو گئی تو حکم دیا آنکھیں کھولو
آنکھیں کھول کر وہ حضور کے قدموں پر گر پڑے حضور نے نہایت
شفقت سے اٹھایا اور اس قدر مہربانی فرمائی کہ اس کو اولیائے کاملین
میں سے بنا دیا اور مدارج اعلیٰ عطا فرمائے۔ اجے پال نے ایک اور
التجا پیش کی کہ میں بقائے دوام کا طالب ہوں۔ حضور نے تبسم فرمایا
اور بارگاہ بے نیاز اور مجیب الدعوات میں اس کی عرض گزار دی
جس پر شرف منظوری اس کو ملی آپ نے اس کا اسلامی نام

عبداللہ بیابانی رکھا اور خدمت خلق پر مامور فرمایا اور اب تک گرد و نواح اجمیر میں حضرت عبداللہ بیابانی بھولے بھٹکوں کو راستہ بتایا کرتے ہیں اجمیر کے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے اگر کوئی آفت یا مصیبت راستہ میں آجائے تو مصیبت زدہ پکار کر کہے یا حضرت عبداللہ بیابانی بھوکے کو روٹی پیاسے کو پانی بھولے بھٹکے کو راہ بتلا دو۔ کہتے ہیں کہ اس صدا کے بعد کوئی اللہ کا بندہ نمودار ہوتا ہے اور مصیبت کے مارے مسافر کی مشکل حل ہو جاتی ہے مصیبت زدہ کی امداد کرنے والے خواہ کسی بھیس یا کسی صورت میں ہوں کہتے ہیں کہ عبداللہ وہی ہوتے ہیں۔

پیغام صلح

مسلماں کے آغوش رحمت میں آجا — اس آغوش میں امن بھی ہے اماں بھی

اس واقعہ سے راجہ بہت متاثر ہوا اور آتش غیظ و غضب اس کے سینہ میں بھڑکنے لگی ادھر حضور نے اپنا فرض منصبی ادا کرنا شروع کیا اور آپ کے مواعظ حسنہ اور اخلاق حمیدہ سے متاثر ہو کر لوگ جوق جوق حاضر خدمت ہونے اور مشرف بہ اسلام ہو جاتے۔ اس طرح ہزاروں آدمی کفر کی تاریکی سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگئے

حسینانِ جہاں کھنچ کھنچ کے خود تیری جانب — نگاہِ شوق وہ سرمۂ تسخیر پیدا کر

اب غریب نواز نے رائے پتھورا کے پاس بھی حقیقت بھیجا اور

راہ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی مگر اس کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا اس نے امتحاناً ایک شخص کو حضور کی خدمت میں مرید ہونے کیلئے بھیجا جب وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور طالب ہوا تو آپ نے مرید کرنے سے انکار کر دیا اس نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔ تین وجوہ سے تو راہ حق پر نہیں چل سکتا اور وہ تینوں عیب تجھ میں نہیں چھوٹ سکتے۔ اول یہ کہ تیرے دل میں کینہ پروری اور گندگی بہت ہے۔ دوسرے ترک تیری طبیعت میں اس قدر بھاری ہے کہ خدا کے سوا ہر ایک کے سامنے سر جھکائیگا یہ سن کر وہ حیران رہ گیا اور راجہ کی خدمت میں جا کر سب حال بیان کیا۔

مظلوموں کو خوشخبری

اوراق جبر و جور و جفا کے بکھر کر شیرازۂ سلطنت کو پریشان کر دیا
ظلم و ستم کی ناؤ ڈبونے کے واسطے قطرہ کو آنکھوں آنکھوں میں طوفان کر دیا

راجہ نے جب کسی طرح حضور غریب نواز پر بس نہ چلا تو سختی کرنا شروع کی جب ایک مظلوم نے خواجہ صاحب سے درخواست کی کہ میری سفارش کیجئے خواجہ صاحب نے جب راجہ کو کہلا بھیجا تو وہ بہت غصہ ہوئے اور حضور کو بہت کچھ برا بھلا کہا۔ اس نے اگلے روز دربار کر کے لوگوں سے کہا کہ یہ فقیر لوگوں کو طرح طرح کے شعبدے دکھاتا ہے۔ اور ان کا دھرم بگاڑتا ہے۔ اور غیب کی باتیں بتلا کر حکومت پر بھی اثر ڈالنا چاہتا ہے ہم نے تو خیال کیا تھا کہ پڑے رہنے دو۔ فقیر کو کون چھیڑے مگر اب حالت نازک ہے

کیونکہ اب ہمارے ملکی معاملات میں بھی دخل دینے لگا ہے. کوئی آدمی اس فقیر کے پاس جائے اور کہے کہ تم فوراً اجمیر سے چلے جاؤ. جب خواجہ صاحبؒ کو راجہ کی ان باتوں کی خبر ہوئی تو اس وقت آپ کی زبان فیض ترجمان سے نکلا. ہم نے راجہ کو پکڑ کر شاہِ اسلام کے حوالے کر دیا لوگ حیران تھے کہ خواجہ صاحبؒ تو جھوٹ نہیں بول سکتے اور یہاں تو شاہ اسلام موجود نہیں ہے. تاہم وہ بڑی بے قراری سے نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔

ساتواں باب

حق کی فتح

کمی نہیں اسد اللہیوں کی دنیا میں اور ان کی تیغ ہے ہمرنگ ذوالفقار بھی

غریب نوازؒ کے لب معجز بیان سے کچھ نکلے اور تاثیر اقبال نہ آئے یہ کیسے ممکن تھا چنانچہ آپ نے جس روز یہ الفاظ منہ سے نکالے میں نے راجہ کو پکڑ کر شاہِ اسلام کے حوالے کر دیا. اسی دن سلطان شہاب الدین غوری قصر شاہی میں بیٹھا تھا کہ ذرا سی غنودگی آگئی دیکھتا کیا ہے کہ ایک بزرگ سامنے کھڑے ہوئے یہ فرما رہے ہیں. اٹھ ہندوستان کی زمین تیرے قدم چومنے کیلئے بیتاب ہے اور تخت و تاج شاہی تیرے انتظار میں ہیں. وہ بزرگ یہ فرما کر روپوش ہو گئے. لیکن بادشاہ

ایک دم بے چین ہو گیا۔ اس کے دماغ و دل میں یہ خیال رہ رہ کر چٹکیاں
لینے لگا کہ ہندوستان پر فوراً چڑھائی کرو سلطان اس سے پہلے جب شکست
کھا کر آیا تھا اسی روز سے اس کے دل میں انتقام کی آگ کے شعلے
بھڑک رہے ہیں اور وہ خفیہ طور پر لڑائی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ لیکن کسی
کو یہ امید نہ تھی کہ وہ اس قدر جلد ہندوستان کی مہم پر روانہ ہو جائیگا۔
اٹھا ہے پھر حرارتِ اسلام کا ابال اس دیگ میں پڑی تھی بہت دیر جو سرد
اس کے کان میں ایک اغیبی آواز آرہی تھی کہ اٹھ اور ہندوستان میں
چل کامیابی تیرا انتظار کر رہی ہے یکایک سلطان کے دل میں ایک ولولہ
پیدا ہوا اس نے اسی وقت سامان جنگ کی فہرست منگوا کر دیکھی لشکر
گاہ میں کوچ کا نقارہ بجوایا اور آٹھویں دن خود رکاب میں پاؤں
رکھ کر روانہ ہوا تمام امرار شاہی حیران تھے اور وہ اس عقدہ کو حل کرنے
سے قاصر رہے کہ اس قدر جلد تیاری کی وجہ کیا ہوئی اور وہ کہاں
جا رہا ہے۔ جب یہ لشکر پشاور میں جا کر خیمہ زن ہوا تو شاہی خاندان
کے ایک سفید ریش اور تجربہ کار شخص جس نے سلطان کی صحبتوں میں
بڑی بے تکلفی حاصل تھی عرض کیا حضور اس مہم میں سامان تو جنگ عظیم
کا دکھا دیتا ہے۔ لیکن یہ راز نہیں کھلتا کہ ارادہ کدھر کا ہے؟"
سلطان نے ایک آہ سرد بھری اور جواب دیا اے مرد جہاں دیدہ
تعجب ہے کہ اس سن وسال میں تو یہ سوال کر رہا ہے کیا تجھے اگلے برس
کی شکست یاد نہیں رہی؟ اور وہ سلطان فرمانے لگا۔ دیکھ میں نے

اس روز سے آج تک کپڑے نہیں بدلے اور نہ ہی حرم سرا میں بستر پر سویا ہوں اس بڑھے نے دعائے خیر دی اور کہا اگر حضور کا یہی ارادہ ہے تو مصلحت وقت کے مطابق کام کرنا چاہیئے اور یہ وہ ہے کہ جو جو سردار اس جرم کی پاداش میں دربار سے باہر ہوئے ہیں۔ انہیں اب پھر دوبارہ بلاکر انعام دیجئے۔ اور ترقی منصب کا لالچ دیکر ان کے دل بڑھائیے کہ جان لڑا کر داغ بدنامی کو دھوئیں بادشاہ اس کا قیمتی مشورہ پسند آیا۔ ملتان پہنچکر اس نے چند روز قیام کیا ایک روز دربار کلام منعقد کیا اور وہاں چھوٹے بڑے سب سرداروں کو مدعو کیا سب آکر اپنی اپنی نشست پر بیٹھ گئے تو بادشاہ نے فرمایا۔

اے بھائیوں پچھلے سال جو بدنامی کا داغ اسلام کے ماتھے پر لگا ہے وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں اس لئے ہر کلمہ گو کا فرض ہے کہ اسے اب تلوار سے دھوکر صاف کرے اگلی شرمندگی اور ندامت کی وجہ سے کسی شخص کو جراءت نہ ہوئی لیکن سب نے شمشیروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ کر سر جھکائے الغرض سلطان وہاں سے روانہ ہو کر لاہور پہنچا تو قوام الملک رکن الدین کو جو عقل کا پُتلا اور تقریر و تدبیر میں بے نظیر تھا ایلچی بنا کر راجہ کے پاس بھیجا اور مندرجہ ذیل مضمون کا خط اس کے سپرد کیا۔

میں نے اپنے بڑے بھائی کے حکم سے جو پنجاب لیکر خراسان تک تمام مسلمانوں کا بادشاہ ہے ہندوستان پر لشکر کشی کرنے کے لئے آیا

ہوں اس لئے رائے پتھورا کو راجگان ہندوستان کا چیف راجہ ہے تحریر کیا جاتا ہے کہ وہ اسلام کی اطاعت قبول کر کے ملک کو فتنہ فساد کی آماجگاہ نہ بننے دے تاکہ مخلوق خدا کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

راجہ کی نگاہ سے جب یہ مراسلہ گذرا تو اس نے بڑے پیچ و تاب سے کے کھایا اور برہم ہوا۔

فوراً ہی جواب لکھکر بھیجدیا اور ساتھ ہی تمام ہندوستان کے راجاؤں کو جنگ میں شرکت کی دعوت دی چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں تین لاکھ راجپوت سپاہی اس کے جھنڈے تلے جمع ہوئے ان میں جوش پیدا ہوا پہلی فتح کے جوش میں بہت سے راجہ بہادری کے جوہر دکھلانے کے لئے اس کے ساتھ ہو لئے۔

سلطان شہاب الدین غوری ادھر سے بڑھا اور سرتی ندی کو بیچ میں ڈال کر دونوں لشکر خیمہ زن ہو گئے سلطان کے پاس رائے پتھورا کا خط آیا کھول کر پڑھا تو اس کا مضمون یہ تھا۔

سپہ سالار اسلام کو اس کے جاسوس کی زبانی یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ دھرم کی لاج رکھنے کے لئے ہمارے پاس آسمان کے تاروں سے بھی زیادہ لشکر موجود ہے اور ابھی ہندوستان کے گوشے سے فوجیں برابر چلی آ رہی ہیں ان میں سے ایک ایک راجپوت وہ سن چلا ہے جس کی تلوار سے کابل و قندھار تک کو پناہ نہیں ملتی ان ترک بچوں اور افغان زادوں کی جوانیوں پر رحم کرو جنھیں تم لوٹ کھسوٹ کا لالچ دیکر یہاں تک لے آئے

ہو اور آپس میں مت ٹکراؤ۔ ہمیں بھی جواں مردی کی قسم ہے کہ تمہارا پیچھا نہ کریں گے نہیں نہیں تو تو دیکھو ہمارے پاس بے شمار آتش بازی کا سامان ہے اور جنگی ہاتھی بھی کچھ اوپر تین ہزار ہیں اگر تم نے میرے اس مشورے پر عمل کیا تو بہتر ورنہ یاد رکھو یہاں سے ایک سپاہی کو بھی زندہ نہ جانے دیں گے۔

قاصد کے آتے خط ایک اور لکھ سکوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

سلطان شہاب الدین اس خط کو پڑھ کر دھیمہ پڑ گیا۔ دشمن کی کثرت اور اپنی قلت دل گھٹائے دیتی تھی۔ اس وقت حکمت عملی سے کام لیا اور جواب میں تحریر کیا۔ آپ نے بڑی شفقت و عنایت سے نیک صلاح دی ہے، مگر آپ جانتے ہیں کہ میرے اختیار میں کچھ نہیں یہ لشکر کشی بھائی کے حکم سے کی گئی جب تک وہاں سے حکم نہ آئے میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں لے وہاں سے جواب آنے تک مہلت چاہتا ہوں اور غالباً صلح کی شرائط یہ ہوں گی۔ کہ سرحد ملک پنجاب ہمارے قبضہ میں رہے۔ اور باقی کل ہندوستان کی باگ ڈور تمہارے اقتدار میں رہے۔

راجہ نے اس کمزور جواب کو سنا تو بے اختیار ہنسی آ گئی اور کچھ دیر کیلئے دربار کشتہ زعفران بن گیا لشکر گاہ میں جب یہ خبر پہنچی تو بڑی خوشیاں منائی گئیں بلکہ ان کی طرف سے اس قدر بے فکر ہوئے کہ ڈیرے ڈیرے میں ناچ و رنگ شروع کر دیئے گئے۔ سلطان نے سرِ شام ہی لشکر بندی کا حکم دیدیا۔ انہوں نے خیموں ڈیروں کا چکر دیکر دریا سے پار

ہو گئے۔ صبح کو راجہ کے لشکر کا دمامہ جنگی پر چوٹ لگی اور کرنا اور دہنائے ڈسے پھونکی
کہ سوتے جاگ گئے۔ سب اپنی اپنی جگہ پر اچھل پڑے اور ساری فوج میں کھلبلی مچ گئی
وہ فوج ایک سمندر کی طرح پڑی تھی ایک طرف ہلچل کی دوسری طرف خبر تک نہ
ہوئی لیکن راجہ نے اس وقت ہوش و حواس کو قائم رکھا اور گھبراہٹ کے آثار
ظاہر نہ ہونے دیئے۔ ایک حصہ فوج کو فوراً تیار کرکے لے آیا اور باقی انبوہ عظیم
فوج کو بھی سمیٹ کر میدان میں لا جمایا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے اپنی
چھوٹی سی فوج کے چار حصے کئے اور ہر ایک پر ایک سپہ سالار مقرر کیا اور حکم دیا
کہ وہ باری باری سے جا کر مردانگی کے جوہر دکھائیں۔ راجپوت بہادر بھی درست
ہو کر اس خوبصورتی سے آئے کہ مسلمانوں کے جی چھوٹ گئے۔ اس وقت سلطان
شہاب الدین نے ایک جنگی پیچ کھیلا یعنی شکست کی صورت بنا کر پیچھے ہٹا راجپوتوں
نے پیچھا کیا سلطان نے جب دیکھا کہ ان کی جمعیت بے انتظام ہو گئی تو دوسرے
غول سے تازہ حملہ کیا۔ لیکن راجہ کا ٹڈی دل ان گنت تھا سلطان کی امید
بر نہ آئی جب سورج [illegible] پر آ گیا تو راجہ پتھورا ایک سو پچاس راجاؤں کو
لیکر ایک درخت کے سایہ میں آیا سب نے تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ کر
دلیش اور دھرم پر کٹ مرنے کی قسم کھائی اور شربت کا ایک جام نوش کیا
پان کا بیڑا منہ میں تلسی کی پتی زبان پر رکھی پیشانیوں پر کیسر کے ٹیکے جب
لڑائی کا فیصلہ ہوتے نظر نہ آیا تو سلطان نے باوجود بارہ ہزار شمشیر زن
بہادر جو اس کے خاصے غلام تھے الگ کئے ان کے سروں پر جو اہرات سے
مرصع فولادی خول تھے جنکی چمک دمک حریفوں کی آنکھوں میں چکا چوند

پیدا کر دیتی ہے ؎

احتیاطاً ترے لشکر کی کمک کیلئے میں عرش اعظم سے فرشتوں کو بلا لایا ہوں

چنانچہ شہاب الدین غوری جب ان کو لیکر لشکر سے جدا ہو تو پہلے خود تاجِ شاہی اتار کر سر پر کفن باندھا۔ اور جوشِ غیرت سے شمشیر اصفہانی کھینچ کر میان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ بادشاہ کا یہ حال دیکھکر سب نے خود خود خود رخیوں میں ڈالدیئے اور سروں پر کفن پیٹے تلواریں کھینچیں اور ڈاڑھیاں منہ میں لیکر جوش و غضب میں بھر کر اس زور سے حملہ کیا کہ جو اپنی جگہ پر جمے کھڑے تھے یا آنکھ جھپکنے میں راجہ کے قلب لشکر میں جا کر دھواں دھار ہو گئے اور جو سردارانِ لشکر ادھر لڑ رہے تھے وہ بھی دائیں بائیں سے نذر جگر کرے اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ آن کی آن میں ہزاروں کا کھیت پڑ گیا۔ اگرچہ راجپوت تلواریوں نے بڑا ساکھا کیا مگر ان کے بنائے سے کیا بنتا ہے۔ غریب نواز کی بات کا پورا ہونا تھا اس لئے شکست فاش ہو گئی چار پپ کشانِ حرم مصطفوی کا کس طرح سے اللہ نے کیا پلہ گماں دیکھ کھانڈے راؤ میدانِ جنگ میں مارا گیا اور پتھورا دریا کے سرسوتی کے کنارے جان بچا کر بھاگتا ہوا جا رہا تھا کہ اس کو ایک شخص نے پکڑ لیا اور شہاب الدین غوری کے حوالے کیا جس نے اُسے موت کا شربت پلایا دشمن کے لشکر میں بھاگو بھاگو مچی ہوئی تھی۔ سپاہی بھاگے پھرتے تھے اور غازیانِ اسلام مطمئن تھے۔

بادشاہ نے راتوں رات مختار نامے لکھکر لاہور اور غزنی روانہ

کئے بعد ازاں اجمیر آسانی سے فتح کیا اور شکست خوردہ کا دل نہ توڑا
بلکہ ان پر احسانِ عظیم کیا جو اسلام کا ہمیشہ سے خاصہ ہے یعنی اسی کھیت رائے
جو رائے پتھورا کا چھوٹا بیٹا تھا اجمیر کی گدی پر بیٹھا کر حلفِ وفاداری لیا
مسلمانوں کے دلوں میں یہ سلیقہ دلنوازی کا مروّت حسن عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

اور خود جاکر دہلی فتح کیا اور قطب الدین ایبک کو وہاں کا انتظام دیا
اور خود لاہور سے ہوتا ہوا غزنی روانہ ہوا چنانچہ قطب الدین ایبک نے
بڑی خوبی سے تمام مفتوحہ علاقہ کا انتظام کیا اور اجمیر میں سید حسین صاحبؒ
ریزیڈنٹ بنا کر بھیجا جو بڑے متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔

میراں سید حسین مشہدی ابتدا ہی سے آپ کے بڑے معتقد تھے لیکن
لیکن رفتہ رفتہ حضور غریب نوازؒ کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ ان کا اکثر وقت
دربار خواجہؒ کی حاضری میں بسر ہوتا تھا۔ اور اسی سلسلہ میں آپ نے تبلیغ
و ہدایت اسلام میں بہت کوشش کی۔

اب حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے راستہ میں کوئی نہ رہا اور پریشان
کرنیوالا کوئی اور قابلِ ذکر شخص نہ بچا تھا۔ آپ نے اپنے کام کو بڑے اطمینان
سے جاری رکھا آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ ہزاروں کی تعداد میں
لوگ دولت ایمان سے مالا مال ہوئے اور حضورؒ کی شمع جمال کے پروانے
بنے اور آپ کی قدر و منزلت اس قدر بڑھ گئی جو لوگ اب تک ایمان نہیں
لائے تھے وہ بھی آپ کے کمالات باطنی کے گرویدہ تھے آپ کے راستہ پر
آنکھیں بچھانے کیلئے تیار رہتے تھے۔ اب آپ کا مستقلاً اجمیر شریف

ین قیام کیا اور آپ اعلائے کلمۃ اللہ میں آخر عمر تک مشغول رہے اور اس کام میں جس قدر کامیابی حضور غریب نوازؒ کو حاصل ہوئی ہے. بعض انبیائے کرام کو بھی نہ حاصل ہوئی تھی.

آٹھواں باب

تصویرِ حیات حضرت خواجہ غریب نوازؒ

حضور غریب نوازؒ کو بھول کر بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ کسی سے نکاح کریں کیونکہ آپکا بچپن تو مصائب و آلام میں کٹا جوانی فقیری کی نذر ہو گئی یعنی زہد و اتقاء عبادت و ریاضت اور سیر و سیاحت ذوق و شوق میں آپکا عالم شباب میں گزر گیا۔

حباب آیا مٹے سب ولولے جوشِ جوانی کے
غضب تھا قلزمِ خاموش کا چڑھ کر اتر جانا

اب جبکہ آپ سیر و سیاحت عالم کے بعد اجمیر شریف میں مستقل طور پر قیام پذیر ہوئے اور تبلیغ و ہدایت سے ہند میں اسلام کو کمال عروج پر پہنچا دیا تو ایک روز حضرت خواجہ سید وجیہہ الدین مشہدی نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں لے فرزند اپنی لڑکی خواجہ معین الدین چشتیؒ کے نکاح میں دیدو کیونکہ حضور سرورِ عالم

رسالت مآب کی ایسی ہی مرضی ہے۔ جس وقت سیّد صاحب پیدا ہوئے تو ان کی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی ایک روز سرور زیست کے عالم میں حضور خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواب شب کا واقعہ بیان کر کے عرض کیا "میری التجا قبول فرمائیے"

آپ نے فرمایا میں اب چراغ سحری ہو رہا ہوں دنیاوی لذتوں سے تمام عمر علیحدہ رہا اور اب نکاح کے قابل نہیں ہوں" چنانچہ اس واقعہ کے بعد بی بی عصمت کے ساتھ آپ کا نکاح ہو گیا تذکرہ د میں لکھا ہے آپ کی بیوی نو عمر تھیں اور شادی ہونے سے زیادہ حیرت امر یہ ہے کہ اس عمر میں آپ کے اولادیں بھی ہوئیں۔

آپ کے ایک اور نکاح کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے لیکن اس امر کا پ نہیں کہ وہ شادی اس سے قبل ہوئی یا بعد میں غالباً بعد میں ہوئی ہوگی ان بیوی کا نام امت اللہ تھا یہ کسی غیر مسلم سردار کی نیک دخ تھیں ملک خطاب کا حاکم قلعہ شتیلی گڑھ کو حضرت کے مریدوں میں تھا۔ یہ بی بی مال غنیمت میں حاصل ہوئی تھیں انہوں نے ان کو حضر خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا جہاں انہوں نے برضا و رغبت قبول کیا خواجہ صاحبؒ نے ان سے نکاح کر لیا۔

خواجہ غریب نوازؒ کے جگر پارے

آپ کے تین صاحبزادگان اور ایک صاحبزادی بلند اقبال تو

ہوئی تھیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں (۱) حضرت سید فخر الدینؒ (۲) حضرت سید حسام الدینؒ (۳) حضرت سید ابو سعیدؒ۔ بی بی سیدہ حافظ جمالؒ

یہاں ایک واقعہ درج کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ایک روز حضرت خواجہؒ نے مجمع احباب خاص و مقربین میں ارشاد فرمایا "میری پہلی حالت یہ تھی جو کچھ دل میں خواہش ہوتی تھی وہ بغیر مدعا کہ ملتی تھی لیکن جب سے اولاد ہوئی ہے مدعا بغیر دعا کے حاصل نہیں ہوتا ہے"۔ حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری بھی موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تھے۔ تو حضرت مریم کو حکم ہوا تھا کہ درخت سے توڑ کر خرمہ کھاؤ۔ بلادعا یا حرکت کے کچھ نہ ملتا تھا یہ سنکر آپ مسکرائے۔

غریب نوازؒ کی روحی غذا

سماع حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی بہت محبوب روحی غذا تھی اور آپ اس لئے لطفِ خاص و ذوق رکھتے تھے۔ سماع کے وقت بیخودی اور بے خبری محویت اور استغراق کا غلبہ بہت زیادہ رہتا تھا۔ راگ سے بہت زیادہ دلچسپی تھی اور اکثر کئی دن تک سماع کی مجلس رہا کرتی تھی اور حضور والا برابر حالت وجد میں رہتے تھے ان مجلسوں میں علاوہ مشائخین کے بڑے بڑے علماء اور فضلاء بھی ہوا کرتے تھے اور کبھی کسی کے جواز یا عدم جواز پر اعتراض نہیں کیا۔ اکثر جاہل لوگ جو

محفل میں آتے ان کا قلب بھی حقیقت و معرفت کا آئینہ ہو جاتا تھا۔ اور
اور مع گھر بار کے آکر حضور کا ہاتھ پکڑ لیا کرتے تھے اکثر اوقات جب آپ حالتِ
وجد میں ہوتے اور آپ پر کیفیت طاری ہوتی تھی در و دیوار لرزنے لگتے
تھے درخت وجد میں ہو کر جھومتے تھے زمین پاؤں کے نیچے سے نکلتی معلوم
ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب زمین و آسمان الٹ جائیں گے۔

استغراق

صاحب اسرار السالکین نقل فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ
کو اکثر اوقات استغراق کیفیت رہا کرتی تھی اور کچھ
خبر نہ رہتی تھی کہ نماز کے وقت خواجہ قطب الدین یا قاضی حمید الدینؒ سامنے
کھڑے ہو کر باآواز بلند صلوٰۃ پکارتے پھر بھی آپ کو خبر نہ ہوتی تھی
دوسری مرتبہ آپ کے گوش مبارک میں صلوٰۃ پکارتے پھر بھی آپ ہوشیار
نہ ہوتے تب مجبوراً آپ کا شانہ پکڑ کر بلایا جاتا۔ اس وقت آپ آنکھ
کھول کر ارشاد فرماتے شرع مجبوری سے چارہ نہیں سبحان اللہ کہاں
سے کہاں آنا پڑتا ہے۔

خلوت یار بیگانہ کا آنا کیسا   سر دھنا شمع نے جو وقت ہوا بھی آئی

اور پھر وضو کر کے نماز پڑھتے جو وقت حالت مستولی ہوتی تو دروازہ
حجرے کا بند کر کے اندر راز و نیاز میں رہتے اس وقت خواجہ قطب الدین
یا قاضی حمید الدینؒ در حجرے پر سنگِ خارہ کے ٹکڑے ڈال دیتے اور
خود پس حجرہ رہتے جس وقت حضور دروازہ کھول کر باہر نکلتے اور
نگاہ جلال سے ان ٹکڑوں پر پڑتی وہ جگہ خاکستر ہو جاتے۔

دریا سے موج موج سے دریا نہیں الگ ہم سے جدا نہیں ہے خدا اور خدا سے ہم

آئینہ عادات اخلاق

آپ نہایت نرم دل پاکیزہ اخلاق سے غصہ بالکل نہیں آتا تھا کسی پر ناراض بھی نہ ہوتے تھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جو آپ کے خلیفہ اکبر اور جانشین ہیں اپنے ایک تذکرہ میں فرماتے ہیں خادم عرصہ دراز تک آپکی خدمت میں حاضر رہا۔ اور کبھی کسی پر حضور مرشد کو غصہ تھا میری نظر سے گذرا۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضور عالی معہ اپنے ایک مرید شیخ علی نامی کے یہاں تشریف لے جارہے تھے۔ کہ اثنار راہ میں ایک شخص کہ جس کے جناب شیخ علی مقروض تھے اس نے بر سر راہ تقاضہ کیا۔ حضرت گرامی نے نہایت نرمی سے فرمایا ابھی اس کے پاس کچھ نہیں ہے تم کچھ دن کی اسے مہلت دیدو تو یہ تم کو ادا کر دیگا۔ مگر باز نہ آیا اور تقاضہ کی سختی کی اس پر آپ کو غصہ آ گیا اور جوش میں آکر ردائے مبارک جو جسم اطہر پر اوڑھے ہوئے تھے اتار کر زمین پر پھینک دی اور اس پر حکم دیا کہ جتنا تیرا اس کے ذمہ ہو اس چادر سے لے لے مگر زینہار زیادہ کی ہوس نہ کرنا۔ اس نے اس چادر میں ہاتھ ڈالا اور اپنا قرضہ لینا چاہا مگر ایک کثیر اور افراط سی دولت دیکھ کر نیت ڈانواڈول ہوئی۔ اور کچھ زیادہ اٹھالیا۔ ہنوز ہاتھ چادر سے باہر نہ ہوا تھا کہ ہاتھ خشک ہو گیا۔ جس سے وہ بہت گھبرایا۔ اور گڑگڑا کر رحم کا ملتجی ہوا۔ اور اپنے افعال بد سے توبہ کی۔ حضرت نے کمال خندہ پیشانی سے اس کے قصور کو معاف کر دیا۔ معاف کیا اس کا ہاتھ اپنی اصلی

حالت پر آگیا اور وہ مرید ہو کر حضرت کے خادموں میں داخل ہوا. راستہ چلتے ہوئے آپ سے کشف وکرامات ظاہر ہوتی تھی بلحاظ علم ظاہر ادب شرعی خاطر رہتے تھے . اتباع سنت نبوی ہر وقت مد نظر رہتی تھی جب کسی سے بات چیت کرتے تو مسکراتے ہوئے. حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح فرمایا کرتے تھے. معین الدین خدا کا محبوب ہے اور مجھ کو اس کی مریدی پر ناز ہے. تاریخ فرشتہ میں مذکور ہے کہ جس وقت حضرت خواجہ غریب نواز رح حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ العزیز سے رخصت ہو کر ہندوستان کی جانب چلے ہیں تو حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح کو آپ کے فراق کا بہت ملال

گر دل سے خیال طاعت معبود ہو جائے
تو انساں قدسیوں کا بیگماں مسجود ہو جائے

زہد و اتقاء

آپ کے زہد و اتقار کا یہ عالم تھا کہ کبھی دولت دنیاں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے . باوجودیکہ بادشاہ دہلی آپ کے خلیفہ اکبر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کا بڑا معتقد تھا . اکثر تحفہ ہدایت آپ کی خدمت میں بھجوایا کرتا تھا. اور دوسری جگہوں سے بھی بہت سے قیمتی نذرانے گذرا کرتے تھے مگر آپ کبھی اس قسم کی کوئی چیز اپنے استعمال میں نہ لائے جو کچھ آتا ہمیشہ غربا مساکین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے سیر و سیاحت اور سفر کے عالم میں اکل حلال کا بہت لحاظ رکھتے تھے اکثر و بیشتر تیر و کمان اپنے ساتھ رکھ کر شکار کر کے مذہب شرعیہ میں اس سے زیادہ معتبر کوئی اکل حلال نہیں ہے شکم سیری فرمایا کرتے تھے آپ کا زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت

میں گزرا کرتا تھا. حافظِ قرآن تھے ایک ایک دن میں اکثر دو دو کلام مجید ختم فرمایا کرتے تھے. اکثر صبح کے وضو سے عشاء کی نماز پڑھا کرتے تھے تمام تمام عبادت میں آپ کو دو چیزیں بہت مرغوب تھیں علوم اور صلوٰۃ کا یہ خیال تھا کہ ساری عمر میں بہت کم ایسا زمانہ گزرا کہ جس میں آپ روزے سے نہ رہے ہوں اکثر اوقات آپ متواتر ایک ایک ہفتہ تک روزہ رکھے رہتے تھے اور ساتویں دن جو کی خشک روٹی سے وزن میں پانچ مثقال سے زیادہ نہ ہوتی تھی افطار فرمایا کرتے تھے رات کا زیادہ حصہ نوافل گزاری میں بسر ہوتا تھا اکثر و بیشتر راتوں میں عشاء کے وضو سے آپ نے صبح کی نماز ادا فرمائی ہے. عرفانہ مکمل عبادت یعنی جس شخص کو عرفان الٰہیہ کمال حاصل ہوتا ہے. اسکی عبادت بھی کامل ہوتی ہے.

مرشد سے عقیدت

آپ اپنے پیر سے بے انتہا راسخ الاعتقاد تھے پیر کی بات سچ تھی ایک مرتبہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ عالم جذب میں خاص بت خانہ اندر بیٹھے رہے جتنے مرید تھے آپ کی اس حرکت سے یہ کہہ کر نعوذ باللہ یہ بتوں کی پرستش کرنے لگے ہیں اور مشرک و کافر ہو گئے ہیں مگر حضرت خواجہ غریب نوازؒ در تکیہ پر اسوقت تک بیٹھے رہے جبتک خواجہ عثمان ہارونیؒ باہر نہ نکل آئے باوجودیکہ لوگوں نے آپ سے بہتیرا کہا کہ کیا تم بھی کافر اور مشرک ہو جاؤ گے اور بت پوجو گے آپ نے جواب دیا کہ اب تو جس کا ہاتھ پکڑ لیا اب چاہے وہ مومن بنائے چاہے کافر حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے باہر نکل کر

آپ کو بیٹھے پایا تو بے انتہا مسرور ہوئے اور آپ کے اس راسخ الاعتقاد سے خوش ہو کر گلے لگا اور نور معرفت سے مالا مال کر دیا۔

سخاوت

نسیہ دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے

سخاوت آپ کا آبائی ترکہ تھا جس طرح خواجہ غیاث الدینؒ نے ایک مرتبہ اپنا کل اثاثہ محتاجین و مساکین میں تقسیم کر دیا تھا اسی طرح آپ نے بھی ایک مرتبہ اپنا کل مال باغ و پن چکی وغیرہ جو کچھ پاس تھا سب راہِ خدا میں غربا کو بانٹ دیا امراء و مساکین اور احباب سے جو نذرانہ اور تحائف آیا کرتے وہ سب آپ عنداللہ غربا کو دیدیا کرتے تھے جس نے جو چیز آپ سے طلب کی کبھی آپ نے انکار نہ فرمایا۔

حلم و تواضع

یہ سر وہ سر ہے جس پر تلج ہے دین محمد کا
یہ دل وہ دل ہے جس پر ناز ہے خود رب اکبر کا

آپ فطرتاً بڑے حلیم متواضع اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے یہ کیفیت تھی کہ سلام پر سبقت کرتے تھے خواہ کوئی ہو جو کوئی ملنے آتا اسے بہت خاطر و تواضع سے بٹھلاتے اس کے رنج و غم میں شریک ہو جاتے انسانی ہمدردی کو عبادت سمجھتے تھے۔

فضل و کمال

آپ کے فضل و کمال بیان کرنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ آپ کے سوانح حیات تحریر کرنا بلکہ یہ اس کا حصہ ہے جس نے آپ کے مدارج اعلیٰ کو سمجھا ہوا ہو اور خود بھی اس

بات میں کچھ دست گاہ رکھتا ہوں میرے نزدیک صرف اتنا ہی کافی ہے
آپ بڑے۔ شیخ طریقت حافظ کلام پاک کے بڑے عالم و فاضل و
یگانۂ عصر یکتائے زمانہ تھے ہزاروں نے آپ کے دست حق پرست
دولت ایمان پائی اور سینکڑوں آپ کی چشم معرفت کی ادنیٰ توجہ
کامل بن گئے ہزاروں آدمی آپ کے معمولی لطف و کرم سے عارف باللہ
ہوگئے ؎ نہ کتابوں سے نہ کالج کے درسے ہے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

تصنیفات

آپ کی تصنیفات میں سے صرف ایک کتاب مونس الارواح
موجود ہے بقیہ اور کسی کتاب کا پتہ نہیں ملتا
اس کتاب میں آپ نے اپنے مرشد کے ملفوظات مرتب کئے۔ دیوان خواجہ
معین الدین چشتیؒ جو ہندوستان میں عام طور پر آپ کی تصنیف سمجھی جاتی
ہے اور دراصل وہ آپ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ملا معین کا کلام ہے
البتہ دو رباعیاں اکثر آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور ان کی
تصدیق بھی ہوسکتی ہے تبرکاً ذیل میں درج ہیں۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین دین است حسینؑ دین پناہ است حسین
سر داد نداد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

عاشق ہمہ دم فکر رخ دوست کند معشوق کرشمہ نیکو ست کند
ما جرم و خطا کنیم او لطف و عطا ہر کس چیزے کہ لائق اوست کند

غریب نوازؒ کا وصال

جب حکمِ رسالت کی تعمیل بدرجہ اتم کو پہنچ گئی اور جو راجپوتانہ میں خصوصاً اور ہندوستان میں عموماً کافی طور پر تبلیغ و اشاعتِ اسلام ہو چکی تو ستانوے سال کی عمر میں بتاریخ ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ میں بروز جمعہ بعد نمازِ عشاء آپ نے حجرہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور تمام لوگوں کو اندر آنے سے منع فرمایا۔ جو رات بھر دروازہ کے قریب حاضر رہے تمام رات آپ کے قدم مبارک کی آواز سنائی دیتی رہی جیسے کوئی حالتِ وجد میں رہتا ہے سب کو یہی خیال تھا کہ حضور پر کوئی خاص کیفیت طاری ہے آخر شب وہ آواز موقوف ہوئی صبح کو نماز کے لئے خادموں نے دروازہ پر دستک دی جب کوئی جواب نہ ملا آخر مجبور ہو کر دروازہ کھولا گیا تو کیا دیکھا کہ حضور واصل بحق ہو گئے ہیں اور دریا بحرِ محیط میں مل گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رٰجِعُوْن آپ کی پیشانی پر بعد از وصال سب حاضرین نے قلمِ غیب سے لکھی ہوئی عبارت دیکھی حبیب اللہ مات فی حب اللہ جس شب آپ نے انتقال فرمایا۔ اکثر بزرگانِ دین نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں "آج ہم اپنے معین الدین کے استقبال کو آئے ہیں۔

نواں باب

نصیحت کے گرن پھول ۔ ارشادات خواجہ

یعنی ان پھولوں کا چھوٹا سا گلدستہ پیش کر رہا ہوں جو غریب نوازؒ کے منہ سے وقتاً جھڑتے رہے ہیں اور جن میں اب بھی اتنی خوشبو باقی ہے کہ اہلِ دل کے دماغ معطر کر سکیں آپ ان ارشادات عالیہ کو غور سے پڑھیں۔

(۱) عشاق کا قلب محبت کی آگ سے جلا ہوا ہوتا ہے اور کچھ اس کے اندر آتا ہے یہ آگ اس کو بھی جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

(۲) دریا جب بہتا ہے تو اس میں بے انتہا زور و شور ہوتا ہے لیکن جب سمندر سے جا کر مل جاتا ہے تو کامل سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی خیال پر سلوک کی منزلوں کو خیال کرنا چاہیئے۔

(۱) دریا کی سی سخاوت ہو یعنی تمام مخلوقات اس سے نفع اٹھائے اور کسی کے لئے اسکی فیض رسانی محدود نہ ہو (۲) سورج کی طرح شفقت رکھتا ہو یعنی جس کی روشنی عامۂ خلائق کیلئے یکساں ہوں (۳) زمین کے کسی سے واضع ہو یعنی ہر ایک کے لئے یکساں آغوش محبت پھیلائے۔

(۴) نیک کام کرنے سے بہتر نیکیوں کی صحبت اور بڑے کام کرنے سے بدتر بروں کی صحبت ہے۔

(۵) گناہ کرنے سے اتنا نقصان نہیں ہوتا ہے جتنا اپنے کسی بھائی کو حقیر یا ذلیل سمجھنے سے ہوتا ہے

(۶) فقیری کا استحقاق اس شخص کو ہوتا ہے کہ جو عالم فانی میں اپنے پاس کچھ باقی نہ رکھے (۷) خدا کی شناخت اس کو ہوگی جو غفلت سے علیحدہ رہے اور خود کو عارف نہ سمجھے (۸) محبت والے دل کی شناخت یہ ہے کہ فرمانبردار اور خائف ہو کر مبادا کہ دوست خوش ہو کر اپنی محبت سے علیحدہ کر دے۔

(۹) تمام عالم اور کائنات عالم کو اپنی دو انگلیوں میں دیکھنا عرفان کا ایک درجہ ہے۔ (۱۰) خاموش اور مغموم رہنا عارفوں کی علامت ہے۔

دسواں باب

فضائل سورۂ فاتحہ

ارشادات عالیہ کے بیان کرنے کے بعد مجھے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں اس مجلس کا تذکرہ جس میں حضور غریب نوازؒ نے سورہ فاتحہ کے فضائل و مناقب فرمائے ہیں۔ (ماخوذ از دلیل العارفین مرتبہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آثار مشائخ طبقات میں لکھا دیکھا ہے کہ حاجتوں کے رفع کرنے کیلئے سورہ فاتحہ کو بہت پڑھنا چاہئے حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کسی کو مہم یا مشکل پیش آئے تو سورہ فاتحہ کو اس طریقہ پر پڑھا کرے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی آخری میں میم کو الحمد سے دل میں وصل کر دے اور آخر میں تین بار آمین کہے۔ حق تعالیٰ اس کی مہم اور مشکل کا کفیل ہو جائے گا اور اس کی حاجت روا کر دے گا۔ اور پھر ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اور گرد اصحاب کا مجمع تھا۔

سورۂ فاتحہ کی عظمت

آپ نے ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے مجھکو بہت سی فضیلتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور مجھ سے پیشتر جتنے پیغمبر ان علیہم السلام گذرے ہیں ان میں سے کسی کو بھی وہ فضیلتیں نہیں عطا فرمائیں ایک روز حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے جو قرآن مجید تمہارے پاس بھیجی ہے اس میں ایک سورت ایسی ہے کہ اگر وہ توریت میں ہوتی تو حضرت موسیٰ ؑ کی امت میں کوئی شخص یہودی نہ ہوتا اور اگر یہ سورت انجیل میں ہوتی تو کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے ترسا نہ ہوتا اور اگر یہ صورت زبور میں ہوتی تو کوئی شخص حضرت داؤد علیہ السلام

کی امت میں مسخ نہ ہوتا اور وہ سورہ فاتحہ ہے اور قرآن مجید میں اس لئے بھیجی گئی ہے کہ اس سورت کی برکت سے تمہاری امت کے لوگ خدا تعالیٰ کے روبرو سرخرو ہوں اور قیامت کے دن عذاب دوزخ نہ ہو۔ محشر سے رہائی پائیں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس خدائے کریم کی جس نے تم کو خلق کی طرف راستی کیلئے بھیجا اگر دریا روئے زمین کے دوات ہو جائیں اور تمام جہاں کے درختوں کے قلم بنائے جائے اور ساتوں آسمانوں و زمین کے کاغذ ہو جائیں تو بھی اس سورت کے نازل ہونے کے بعد سے قیامت تک اس سورت کی برکتیں ہرگز نہیں لکھی جا سکتیں۔

سورۂ فاتحہ کے فضائل

اس کے بعد خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ سورہ فاتحہ کل دردوں کی دوا ہے اور سب مرضوں کے لئے شفا ہے اگر کوئی مریض کسی علاج سے بھی اچھا نہ ہو تو فجر کے وقت سنت اور فرض کے درمیان میں بسم اللہ کے ساتھ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کریں حق سبحانہ ضرور اس صورت کی برکت سے شفا کلی عطا فرمائے گا۔ حدیث شریف میں آیا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفاتحۃ شفاءٌ کلّ داءٍ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورۂ فاتحہ ہر مرض کی دوا ہے۔

گیارہواں باب

اوراد وظائف چشتیہ

(از دلیل العارفین)

ایک مجلس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ وہ جو کچھ اپنا ورد روزانہ مقرر کرے اس کو بلاناغہ کئے جائے اگر وقت مقرر پر نہ کر سکے تو دن یا رات یا کسی حصّہ میں اس کو کرے مگر ناغہ نہ کرے ہر کام پر اپنے ورد کو مقدم سمجھے۔

ورد وظائف اسکے بعد فرمایا کہ آدمی کو چاہیئے کہ جب صبح کو بیدار ہو تو داہنے پہلو کے بل اٹھے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے پھر چاہیئے کہ وضو کامل شرائط کیساتھ کرے اور دو رکعت نماز بہ نیت وضو ادا کرے مصلے پر ذکر کرے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پھر صبح کی سنتیں پڑھے پہلی رکعت سورہ فاتحہ کے بعد الم نشرح اور دوسری رکعت میں سورہٗ فاتحہ کے بعد الم ترکیف پڑھے سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہِ العظیم وبحمدہٖ استغفر اللّٰہ ربی من کلّ ذنبٍ واتوب الیہ جس وقت فجر کی نماز پڑھ چکے تو رو بقبلہ بیٹھا رہے اور دس بار پڑھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہُ الملک ولہُ الحمد یحیی ویمیت

وَهُوَ حیٌّ لا یموت ابداً ابداً ذوالجلال والاکرام بیدہٖ الخیر
وَهُوَ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر اس کے بعد تین بار پڑھے اشہد ان محمداً
عبدہٗ ورسولہٗ پھر تین بار پڑھے اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمدٍ مادام
تختلف الموت وتعاقب العصران وتکور الجدیدان والمحصب
الفرقدان ان القمران بلغ علیٰ روح محمد من التحیۃ والسلام
پھر تین بار یا عزیز یا غفور پڑھے پھر تین بار پڑھے سبحان اللّٰہ
والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا
باللّٰہ العلی العظیم اور تین بار پڑھے استغفر اللّٰہ ربی من
کلّ ذنبٍ واتوب الیہ پھر تین بار کہے سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ
سبحان اللّٰہ العظیم وبحمدہٖ استغفر اللّٰہ الذی لا الٰہ الا
ھو الحی القیوم غفار الذنوب ستار العیوب علام الغیوب
کشاف الکروب مقلب القلوب واتوب الیہ اس کے بعد تین بار پڑھے
یا حی یا قیوم یا حنان یا منان یا دیان یا سبحان یا سلطان
یا غفران یا ذوالجلال والاکرام برحمتک یا ار
حم الراحمین اس کے بعد پڑھے لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ
العلی العظیم یا قدیم یا دائم یا حی یا قیوم یا احد یا صمد
یا علیم یا عظیم یا علی یا نور یا نور یا وتر یا باقی یا قیوم
قضی حاجتی بحق محمدٍ وآلہ واصحابہ اجمعین اس کے بعد نوے
نام باری تعالیٰ پڑھے۔ اس کے بعد نوے نام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ

علیہ وسلم کے پڑھے۔

برائے مایوسی اولاد:۔ بعد نماز تین مرتبہ پڑھے یا ایھا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شیء عظیم ٥

برائے دفع آسیب:۔ تین مرتبہ پانی پر پڑھ کر چھینٹا ماریں یا کان میں دم کرے۔ واذا بطشتم بطشتم جبارین۔

زہریلے جانور کے کاٹنے کا علاج جس جگہ پر جانور کاٹے اس جگہ پر گھماتا ہوا ایک سانس میں ساتھ مرتبہ پڑھ کر دم کرے ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔

برائے زیادتی رزق:۔ بعد نماز فجر کثرت سے پڑھا کرے۔ سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین:۔

نجات مرض کے لئے:۔ کوئی مرض ہو تو طشتری پر لکھ کر مریض کو پلادے یا تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالے

کھیعص حمعسق۔

مقبولیت نماز:۔ ہر نماز کے بعد کلمہ توحید تین مرتبہ پڑھ لینے سے نماز مقبول ہو جاتی ہے ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا سے حلیما غفورا تک

دوسرے نام حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح

(۱) پیر سید معین الدین رح (۲) مخدوم معین الدین رح (۳) مولانا معین الدین رح

چشتی (۴) معین الدین (۵) شیخ معین الدینؒ (۶) غوث المشائخ
معین الدینؒ (۷) غوث الارض والسما معین الدینؒ (۸) مقرب
الحضرت والکبریا معین الدینؒ (۹) محبوب خدا معین الدینؒ (۱۰) وارث
انبیاء معین الدین (۱۱) فرزند مرتضیٰ معین الدینؒ (۱۲) جگر گوشہ
رسول خدا معین معین (۱۱) فرزند مرتضیٰ معین الدینؒ (۱۲) حاجی
الحرمین معین الدینؒ (۵) تارک کونین معین الدینؒ (۱۶) شیخ الثقلین
معین الدینؒ (۱۷) کریم الطرفین معین الدین (۱۸) سلطان الاسلام
معین الدینؒ (۱۹) محبوب اصحاب معین الدین (۲۰) بادشاہ
معین الدین (۲۱) عاشق ذات اللہ معین الدینؒ (۲۲) میراث اللہ
معین الدین (۲۳) عالم شاہ معین الدینؒ (۲۴) قمر اللہ معین الدین
(۲۵) شمس اللہ معین الدین (۲۶) فیض اللہ معین الدینؒ (۲۷)
نور اللہ معین الدینؒ (۲۸) فنا فی اللہ معین الدینؒ (۲۹) عارف
باللہ معین الدین (۳۰) امور بامر اللہ معین الدینؒ (۳۱) محرم اسرار
معین الدین (۳۲) مظہر انوار معین الدین (۳۳) نجم اللہ معین الدین
(۳۴) مصباح اللہ معین الدین (۳۵) مفتاح اللہ معین الدینؒ (۳۶)
فضل اللہ معین الدینؒ (۳۷) سیف اللہ معین الدین (۳۸)
قوس اللہ معین الدینؒ (۳۹) امیر اللہ معین الدینؒ (۴۰) سیع اللہ
معین الدین (۴۱) بحر اللہ معین الدینؒ (۴۲) ذکر اللہ معین الدین
(۴۳) فکر اللہ معین الدینؒ (۴۴) خزائن اللہ معین الدینؒ

(۴۵) جمال اللہ معین الدین (۴۶) محیط اللہ معین الدینؒ (۴۷) مطیع اللہ معین الدینؒ (۴۸) عظمت اللہ معین الدین (۴۹) قدرت اللہ معین الدینؒ (۵۰) عنقاد اللہ معین الدین (۵۱) شفار اللہ معین الدینؒ (۵۲) ضیار اللہ معین الدین (۵۳) ثنار اللہ معین الدینؒ (۵۴) علمار اللہ معین الدینؒ (۵۵) خلفا اللہ معین الدینؒ (۵۶) سرفا اللہ معین الدین (۵۷) جنود اللہ معین الدینؒ (۵۸) اولیار اللہ معین الدینؒ (۵۹) اتقیا اللہ معین الدینؒ (۶۰) اصفیار اللہ معین (۶۱) عنایت اللہ معین الدینؒ (۶۲) مقتدائے دین معین الدین (۶۳) قطب الاقطاب معین الدینؒ (۶۴) کعبہ مراد معین الدینؒ (۶۵) اعظم سعادت درویش معین الدینؒ (۶۶) رفیع الدرجات معین الدینؒ (۶۷) ولی اللہ معین الدینؒ (۶۸) اعظم سعادت معین الدینؒ (۶۹) امام معین الدینؒ (۷۰) قبلہ خاص و عام معین الدین (۷۱) سپہ سالار معین الدینؒ (۷۲) شہسوار معین الدینؒ (۷۳) قاتل کفار معین الدینؒ (۷۴) شاہ معین الدین (۷۵) عالم معین الدینؒ (۷۶) عامل معین الدین (۷۷) کامل معین الدین (۷۸) فاضل معین الدین (۷۹) واحد معین معین الدین (۸۰) کریم معین الدین (۸۱) رحیم معین الدینؒ (۸۲) سمیع معین الدین (۸۳) بصیر معین الدینؒ (۸۴) باطن معین الدینؒ (۸۵) ناظر معین الدین (۸۶)

دائم معین الدین (۸۷) قائم معین الدینؒ (۸۸) غریب نواز معین الدینؒ (۸۹) برہان العارفین معین الدینؒ (۹۰) سلطان العاشقین معین الدینؒ (۹۱) حبیب اللہ معین الدینؒ (۹۲) قطب العارفین معین الدینؒ (۹۳) ہند الولی معین الدین (۹۴) خواجہ خواجگان معین الدینؒ (۹۵) عطائے رسول معین الدینؒ (۹۶) خواجہ بزرگ معین الدینؒ (۹۷) سلطان الہند معین الدین (۹۸) قطب المشائخ غریب نواز معین الدینؒ (۹۹) حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری رحمتہ اللہ علیہ۔

بارھواں باب

خلفائے عظام

اسکی افتاد پہ خورشید رفعت بیاں جس کو بجایا تر النقش کفِ پا ہو نا

خواجہ صاحب کے فرمان واجب الایقان کے موافق قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے خلیفہ اکبر تھے اور ہیلسنٹھ خلفائے اصغر اور چپن صاحبان مجاز ہیں۔ قوم جنہ میں ۱۹۵ صاحب مجاز ہیں۔ آپ کے ایک خلیفہ شیخ المشائخ حضرت محمد یادگار رجبی ہیں جن کا مزار مبارک خواجہ غریب نوازؒ کے گنبد کے قریب ہی شمال میں ہے۔ اور حضرت

سید السادات مولانا فخر الدینؒ اگرچہ آپ کے پیر بھائی ہیں مگر آپ سے کافی فیض حاصل کئے اور بعد از وصال بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا اس لئے وہ بھی مریدین ہی میں شمار ہوتے ہیں آپ کا مزار مبارک بھی خواجہ صاحبؒ کے مزار کے قریب ہی مشرق میں توشہ خانہ میں ہے مؤخرالذکر دونوں بزرگوں کا عرس ۲۵، ۲۶ رجب کو اجمیر شریف میں بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا اصحاب کے علاوہ حضرت غریب نواز علیہ الرحمتہ کے دیگر خلفاء کرام کی تفصیل بالترتیب حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	اسمائے خلفا	زمانہ خلافت	مقام خلافت	تاریخ وفات	مدفن
۱	خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ	غالباً ۵۱۹ھ	اصفہان	۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ	دہلی
۲	حضرت امام الدین دمشقیؒ	نا معلوم	نامعلوم	" " ۵۷۳ھ	اجمیر
۳	حضرت املا قہرؒ	۱۲ رجب ۵۴۴ھ	اجمیر	۱۶ شوال ۶۳ھ	"
۴	حضرت نیاز احمد خراسانیؒ	نا معلوم	نامعلوم	۱۵ ربیع الاول ۴۵ھ	"
۵	حضرت عبد الغفارؒ	۲۳ ربیع الاول	اجمیر	۲۴ صفر ۶۹۲ھ	ملتان
۶	حضرت احمد شہاب کوفیؒ	"	"	۱۳ شعبان ۶۷ھ	اجمیر
۷	حضرت شیخ احمد کابلیؒ	۶ صفر ۵۵۶	"	۱۱ محرم ۵۹۹ھ	"
۸	حضرت داؤد الدینؒ	نا معلوم	نامعلوم	۲۸ محرم ۶۴۲ھ	"
۹	حضرت قادر سعیدؒ	۲۱ محرم ۵۷۲ھ	اجمیر	۱۹ رجب ۶۰۷ھ	"

نمبر شمار	اسمائے خلفا	زمانۂ خلافت	مقامِ خلافت	تاریخ وفات	مدفن
۱۰	حضرت محمد یادگار سبزواری	۵۸۵ھ	سبزوار	۲۵ رجب ۶۴۵ھ	اجمیر
۱۱	حضرت عبداللہ بیابانی	۵۸۹ھ	اجمیر	۶۳۸ھ	″
۱۲	حضرت معرف شہاب	۱۲ محرم ۵۸۵ھ	″	۲۹ صفر ″	″
۱۳	حضرت غلام ہادی ترک	۱۴ رجب ۵۴۰ھ	″	۱۱ شوال ۵۸۸ھ	″
۱۴	حضرت قرآن احمد ترک	۸ شوال ۵۵۰ھ	″	۴ رمضان ۵۸۴ھ	دہلی
۱۵	حضرت احمد خاں غازی	۵ محرم ۵۸۰ھ	″	۱۰ ذیقعدہ ۶۰۲ھ	قنوج
۱۶	حضرت احمد خاں درانی	۲۲ صفر ۵۸۱ھ	″	۴ شعبان ۶۰۳ھ	اجمیر
۱۷	حضرت سلطان شاہ	۱۵ شعبان ۵۸۳ھ	″	۱۹ جمادی الاول ۵۹۴ھ	″
۱۸	حضرت عبداللہ اصغر	۲۲ ربیع الاول ۵۸۵ھ	″	۱۱ شعبان ۶۴۰	دہلی
۱۹	حضرت ابوالفرح قریشی	۲۹ ذالحجہ ۵۸۵ھ	″	۱۴ ذیقعدہ ۶۱۷ھ	″
۲۰	حضرت یعقوب خاں	۱۴ ربیع الاول ۵…	″	۲۷ محرم ۶۹۵ھ	″
۲۱	حضرت خواجہ احمد شاہ	۲۱ محرم ۵۹۲ھ	″	۲۲ صفر ۶۸۰ھ	″
۲۲	حضرت عبداللہ شاہ	۲۱ جمادی الاول ۵۹۲	″	۲۳ صفر ۶۸۱	اجمیر
۲۳	حضرت کریم شعیب بن محمود شاہ ایرانی	۲ صفر ۵۹۵ھ	نامعلوم	۲۳ رجب ۶۷۳ھ	″
۲۴	حضرت خواجہ محی الدین	۸ رمضان ۵۹۵ھ	نامعلوم	نامعلوم	″
۲۵	حضرت شیخ حمید الدین ناگوری	یکم رجب ۵۹۶ھ	اجمیر	۵ محرم ۶۴۳ھ	دہلی
۲۶	حضرت ظہیر الدین	۷ ذالحجہ ۵۹۶ھ	″	۸ شوال ۶۰۳	اجمیر
۲۷	حضرت خواجہ برہان الدین	۳ رمضان ۵۵۶	″	۱۴ رجب ۶۶۴	″

نمبر شمار	اسمائے خلفاء	زمانہ خلافت	مقام خلافت	تاریخ وفات	مدفن
۲۸	حضرت سرور احمد رح	۱۱ ربیع الاوّل ۵۹۸ھ	اجمیر	۱۸ شعبان ۶۱۵	اجمیر
۲۹	حضرت امیر راجگی رح	۲۱ ذالحجہ ۵۹۹ھ	″	۱۲ محرم ۶۰۰ھ	″
۳۰	حضرت صوفی حمید الدین رح	۲۲ شعبان ۵۹۹ھ	″	۲۹ ربیع الاوّل ۶۷۲ھ	ناگور
۳۱	حضرت شیخ احمد رح	۲۹ محرم ۵۹۹ھ	″	۱۳ محرم ۶۲۳ھ	اجمیر
۳۲	حضرت شیخ محمد حسن رح	۱۷ شعبان ۵۹۵ھ	″	نامعلوم	نامعلوم
۳۳	حضرت بی بی حافظ جمال رح	۱۱ ربیع الآخر ۵۹۹ھ	″	″	اجمیر
۳۴	حضرت غریب جعفر رح	۹ صفر ۶۰۰ھ	″	۲۱ صفر ۶۰۸	″
۳۵	حضرت موسیٰ شیخ عراق رح	۱۳ محرم ۶۰۰ھ	″	۲۳ محرم ۷۰۰ھ	دہلی
۳۶	حضرت شیخ وجیہ الدین رح	۵ صفر ۶۰۰ھ	″	۱۱ رجب ۶۷۶	ملتان
۳۷	حضرت کریم احمد شاہ رح	۲۷ ذالحجہ ۶۰۰ھ	″	۴ ذالحجہ ۶۱۳ھ	اجمیر
۳۸	حضرت خواجہ سلمان کرخی رح	۱۹ شعبان ۶۰۱	″	نامعلوم	نامعلوم
۳۹	حضرت شیخ شمس الدین	۱۵ شوال ۶۰۱	″	۱۷ صفر ۶۷۳	احمد آباد
۴۰	حضرت شعبان خان ترک	۲۱ محرم ۶۰۳ھ	″	۱۴ جمادی الآخر ۶۱۷	″
۴۱	حضرت محمد محمود احمد رح	۱۸ ربیع الاول ۶۰۳	″	۱۵ محرم ۶۰۷	اجمیر
۴۲	حضرت خواجہ حسن خیاط رح	یکم محرم ۶۰۳ھ	″	نامعلوم	نامعلوم
۴۳	حضرت حسن داؤد حجی رح	صفر ۶۰۴ھ	″	۱۹ رجب ۶۲۱	اجمیر
۴۴	حضرت مراد بیگ مغل رح	۱۱ ذیقعدہ ۶۰۴	″	۲۷ شوال ۶۱۴	″
۴۵	حضرت ہادی عفت رح	۳ صفر ۶۰۶ھ	″	۱۶ ذالحجہ ۶۰۶ھ	دہلی

نمبر شمار	اسمائے خلفا	زمانہ خلافت	مقام خلافت	تاریخ وفات	مدفن
۴۶	حضرت اظہر خاں ترکؒ	۲۷ محرم ۶۰۷ھ	اجمیر	۹ر شعبان ۶۰۷ھ	دہلی
۴۷	حضرت گیواں صفر قندھاریؒ	۱۲ر محرم ۶۰۷	"	۹ر شعبان "	"
۴۸	حضرت سفیان احمدؒ	۱۱ر صفر ۶۰۷	"	۶ر رجب ۶۱۰	"
۴۹	حضرت عبد الغفارؒ	۴ر شوال ۶۰۷	"	۲۵ر رجب ۶۱۶ھ	"
۵۰	حضرت عزیز احمد شاہؒ	۱۴ر رمضان ۶۰۷ھ	"	۱۶ صفر ۶۰۹	دہلی
۵۱	حضرت شیخ زاہد ترکؒ	۱۹ر شعبان ۶۰۷	"	۱۱ محرم ۶۲۴	"
۵۲	حضرت فقیر محمدؒ	۱۱ شعبان ۶۰۰	"	۲۷ جمادی الآخر	جمرود
۵۳	حضرت شیخ محمد علی سنجریؒ	۲۱ر رجب ۶۰۸	"	نامعلوم	نامعلوم
۵۴	حضرت شہاب ولیؒ	۱۱ر رجب ۶۰۸	"	۱۶ جمادی الآخر	اجمیر
۵۵	حضرت سوختی بہادر شاہؒ	۹ر صفر ۶۰۹ھ	"	۱۱ر محرم ۶۱۸	"
۵۶	حضرت خواجہ یادگار خرمؒ	۲ر رمضان "	"	۱۰ " ۶۴۰ھ	غزنی
۵۷	حضرت مرد عماد خاں ترکؒ	۸ر رجب ۶۰۹	"	۱۶ر شعبان ۶۱۹	اجمیر
۵۸	حضرت نعمت اللہ خاںؒ	۸ر صفر ۶۰۹	"	۴ جماد الآخر	"
۵۹	حضرت شیخ صدر الدینؒ	۲۳ر ربیع الاول ۶۰۹	"	نامعلوم	"
۶۰	حضرت خواجہ سبزواریؒ	۵ محرم ۶۱۰ھ	"	نامعلوم	"
۶۱	حضرت خواجہ اکبر شاہؒ	۲۴ شعبان ۶۱۱ھ	"	۱۹ ذا الحجہ	"
۶۲	حضرت مجید اصغر بہاریؒ	۵ محرم ۶۱۲ھ	"	۹ر رمضان ۶۲۱	دہلی
۶۳	حضرت فتح محمد بہاری	۲۹ ذا الحجہ ۶۱۱ھ	"	۹ رجب ۶۲۴	اجمیر

نمبر شمار	اسمائے خلفا	زمانہ خلافت	مقام خلافت	تاریخ وفات	مدفن
۶۴	حضرت سلطان محمود خاں	۳ جمادی الآخر	اجمیر	نامعلوم	اجمیر
۶۵	حضرت سبحان علیخاں	۱۴ ذیقعدہ ۶۱۳	"	۹ ذالحجہ	"
۶۶	حضرت شیخ وحید الدین	۱۱ ربیع الاول ۶۱۴ھ	"	۹ جمادی الآخر	ہرات
۶۷	حضرت نظام الدین	۶۱۰ھ	"	۱۱ رجب ۶۲۱	دہلی

علاوہ ان حضرات کے جن کا ذکر نقشہ ہذا میں کیا جا چکا ہے۔ حضرت امام الدین بن نجم الدین دمشقیؒ و حضرت نیاز الدینؒ بن شفیق احمد خراسانی و حضرت امام شہاب کوفیؒ اور حضرت داؤد الدین طائی بھی آپ کے ہم جلیس اور ہم مکتب تھے اور خواجہ صاحبؒ کے ہمراہ بخارا میں آئے تھے۔ اور وہیں بیعت خلافت سے بھی مشرف ہوئے تھے حضرت امام الدینؒ نے ۱۱ ربیع الاول ۵۷۵ھ کو بروز پنجشنبہ بوقت تہجد رحلت فرمائی حضرت امام احمد شہاب الدین بروز پنجشنبہ بوقت زوال ۱۲ شعبان ۵۸۵ھ کو انتقال فرمایا۔ حضرت شاہ نیازؒ نے بروز جمعہ قبل نماز ۱۵ ربیع الاول ۵۶۷ھ کو اور حضرت داؤد الدینؒ ۲۸ محرم ۶۰۰ھ کو انتقال فرمایا اور چاروں حضرات کے مزار مبارک خواجہؒ غریب نواز کے پائنداز ہیں۔

آفتاب اجمیر سوم حصہ ختم شد

آفتاب اجمیر

حصّہ چہارم

پہلا باب

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

سلطان شہاب الدین غوری اجمیر میں پرتھوی راج کے لڑکے کلیت راؤ کو والیٔ اجمیر بنا کر واپس چلا گیا اجمیر میں سید حسین مشہدی خنگ سوار بطور ریزیڈنٹ تھے۔ راجہ کے متعلقین نے سازش کر کے ریزیڈنٹ صاحب پر شب خون مارا اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ اس واقعہ سے سلطان قطب الدین ایبک جو ہندوستان میں سلطان شہاب الدین غوری کا جانشین تھا اسکو انتہائی غصہ آیا اور اس نے ۵۹۱ھ اجمیر پر حملہ کر کے راجہ کو شکست دیکر معاف کر دیا۔

سلطان شمس الدین التمش اور سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانے میں مسلمان ریزیڈنٹ اجمیر پر تعینات رہے ۸۰۱ھ میں میواڑ کے راجگان نے اس پر قبضہ کر لیا مگر ۸۵۹ھ میں محمود خلجی نے اسکو فتح کر کے آزاد کر دیا اور خواجہ نعمت اللہ خاں کو قلعہ دار مقرر کیا۔ اسکے بعد اپنے ولی عہد شہاب الدین کو جاگیر میں دیدیا۔

جب خلجیوں کی حکومت کمزور ہو گئی۔ تو راٹھور خاندان کے امرا اجمیر پر قابض و متصرف ہو گئے لیکن جب ہندوستان میں شاہانِ مغلیہ کا عروج ہوا اور شہنشاہ جلال الدین اکبر اعظم دہلی کے تخت پر جلوہ فروز ہوا تو

اجمیر کو اس نے بہت ترقی دی اور اسکو علیحدہ صوبہ بنا دیا۔ اور ۱۵۵۹ء سے لیکر ۱۷۷۰ء تک برابر سلطنت مغلیہ کے زیر حکومت رہا اور جب سلطنت مغلیہ کمزور ہوئی تو وہ مرہٹوں کے قبضہ میں آیا اور آخر کار انگریزوں نے بابو سینڈھیا سے تارا گڑھ حاصل کر لیا۔

دوسرا باب

دربار خواجہ میں شہنشاہوں کی حاضریاں

اگر دل سے خیال طاعت معبود ہو جائے ۔۔۔ تو انساں قدسیوں کا بیگماں مسجود ہو جائے
شہنشاہوں کے سر جھکیں اسکی حضوری میں ۔۔۔ جبیں گر فقر سے انساں کی گرد آلود ہو جائے

سلطان محمود خلجی

سب سے اول سلطان محمود خلجی آستانہ عالیہ پر ۸۵۹ھ میں حاضر ہوا اور امداد کا طالب ہوکر اجمیر پر حملہ کیا اور دعائے خواجہ بزرگ سے فتح حاصل کرکے دوبارہ پھر آستانہ مبارک پر حاضر ہوا اور بعد طواف اور فاتحہ خوانی کے خدام اور مستحقین درگاہ کو مالا مال کر دیا اور مزار کے قریب ایک مسجد جو صندل خانہ کے نام سے موسوم ہے اور بلند دروازہ اور چند عمارتیں بھی بنوائیں۔ اسکے بعد دار السلطنت مانڈو واپس چلا گیا۔ سلطان محمود خلجی اور اسکے بیٹے سلطان غیاث الدین خلجی کو آستانہ عالیہ اور صاحبزادگان عالی سے خاص عقیدت تھی چنانچہ اس نے خواجہ قطب الدین بختیؒ خواجہ معین الدینؒ

خورد بن شیخ حسام الدین سوختہ بن خواجہ فخر الدین محمد کو اجمیر سے مانڈو لے گیا اور زمانہ شباب میں ہی بارہ ہزار سواروں کا افسر مقرر کر دیا اور چشت خانی خطاب فرمایا۔

اکبر اعظم کی عقیدت عہد مغلیہ میں سب سے پہلے جس بادشاہ کو خواجہ غریب نواز سے عقیدت ہوئی وہ شہنشاہ اکبر کی ذات وصفات تھی اور اس کا تذکرہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایک دن اکبر گھوڑے پر سوار آگرہ اور فتح پور سیکری کے درمیان موضع مڈھا کر سے گزر رہا تھا۔ وہاں کچھ قوال حضرت خواجہ غریب نواز کی مدحت سرائی میں کوئی قصیدہ پڑھ رہے تھے گھوڑے کو روک کر قوالی سننے لگا اور جب جوش نے بیتاب کیا تو اجمیر شریف کی طرف کوچ فرمایا اور جاکر سر نیاز آستانہ پر جھکا دیا ؎

جھک گئی ہیں تاجداران جہاں کی گردنیں پاسبانِ حریم مصطفٰے کے سامنے

اکبری حکومت کا یہ ابتدائی زمانہ تھا عقیدت روز بروز بڑھتی گئی اور بیسیوں مرتبہ اجمیر میں حاضری دی اکبر پیادہ پا آگرہ سے اجمیر کو گیا اور ہر منزل پر مینار باغات چاہات اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ جب چتوڑ گڈھ گیا تو اسکی یادگار میں ایک بہت بڑی دیگ جو اب تک موجود ہے چڑھائی اجمیر شریف میں بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ جوش عقیدت کا یہ حال تھا کہ ہر وقت یا ہادی یا معین کا وظیفہ ورد زبان رہتا تھا اور آپ کی دعاؤں کی برکت سے ہمیشہ فتوحات حاصل کرتا رہا۔

جہانگیر کی حاضری :- جہانگیر کو بھی اپنے باپ کی طرح روضۂ منورہ سے بیحد عقیدت تھی تزک جہانگیری میں جلوس کے واقعات میں وقت روانگی اجمیر شریف اس نے تحریر کیا ہے. "دریں عظمت منظور خاطر بود اول زیارت روضۂ منورہ خواجہ معین الدین چشتی کہ از برکات روح پر فتوح کشائشہا ئے بایں ودو مان والا رسیدہ بود از جلوس زیارت مرقد بزرگوار میسر گشتہ بود" جس وقت اجمیر شریف ایک کوس بھر کے فاصلہ پر رہ گیا تو سواری سے اتر کر پیدل چلنے لگا اور حاضر ہوا اور آستانہ بوسی وظائف و فاتحہ خوانی کے بعد قیام گاہ پر واپس آیا ۔

مقرر کردم دروہ و دریں درگہ ز خواہر فت سر اینجا سجدہ اینجا بندگی اینجا قرار اینجا

۱۰۳۲ھ میں حاضر ہوا تھا ۱۰۲۳ھ میں بیمار ہو گیا اور جب مرض کا علاج ہونے لگا تو علالت کی حالت میں ہی روضہ پر جا کر حاضر ہو کر دعائے صحت مانگی اور قبول ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ نے بہ برکت صحت کلی عطا فرمائی ۔

پانچ دن کم تین برس اجمیر شریف میں قیام رہا اس عرصہ میں نو مرتبہ زیارت روضۂ منورہ سے فیضیاب ہوا ۔ اور آگرہ میں جو دیگ تیار کرائی تھی وہ چڑھائی اس میں فقراء و مساکین کے واسطے کھانا پکوایا پانچ ہزار آدمیوں کا کھانا اپنے سامنے بٹھا کر کھلایا اور زر نقد دیکر رخصت کیا ۔

ایک لاکھ دس ہزار روپیہ خرچ کر کے ایک اور طلائی کٹہرہ بنوایا اور اس کو مزار مبارک پر نصب کرایا تھا ۔ مگر افسوس کہ وہ اب باقی نہیں ہے

شاہجہاں کی محبت :- شہنشاہ شاہجہاں نے بھی تخت نشینی سے

قبل اور بعد کئی مرتبہ پیدل اجمیر شریف میں آکر زیارت روضۂ اقدس سے شرف حاصل کیا۔ اور ہر مرتبہ خیرات نذر و نیاز سے مستحقین اور فقراء و مساکین کو مالا مال کر دیا اس نے ایک نہایت ہی خوبصورت سنگ مرمر کی عالیشان مسجد مزار اقدس کے قریب ہی تعمیر کرائی۔ اور کہا جاتا ہے کہ شاہجہاں نے سب سے پہلی تعمیر جو کرائی وہ یہی مسجد ہے جو درگاہ شریف میں نورانی عمارت ہے۔

عالمگیر کی آمد شہنشاہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بھی مثل اپنے آباد اجداد کے کئی مرتبہ پیادہ پا روضۂ عالیہ پر حاضر ہوا اور ایک مرتبہ ۱۲ شعبان ۱۰۹۰ھ کو روضۂ منورہ کی زیارت کے بعد پانچ ہزار روپیہ نذرانہ گزارا۔

جہاں آرا دربار خواجہ میں: مغل سلاطین کے خاندان میں مردوں کی طرح عورتیں بھی خواجہ بزرگ کی بیحد معتقد تھیں اور ان میں سب سے زیادہ عقیدت شاہجہاں کی بڑی بیٹی جہاں آرا بیگم کو تھی اس نے ایک تذکرہ مونس الارواح جس میں خواجگان چشت کا حال تحریر کیا ہے۔ اس کے آخر میں اپنے اس سفر کا مختصر حال جو اجمیر شریف کا اس طرح تحریر کیا ہے۔ کہ ۱۸ شعبان کو والد بزرگوار کے ہمراہ آگرہ سے اجمیر شریف کی طرف روانہ ہوئی اور سات رمضان ۱۰۵۳ھ کو وہاں پہنچی اس تمام عرصہ میں میرا یہ معمول تھا کہ ہر منزل پر روزانہ دو رکعت نفل پڑھ کر سورۂ یٰسین و سورۂ فاتحہ

نہایت اخلاق و عقیدتمندی کیساتھ پڑھ کر حضرت خواجہ بزرگ ؒ کی
روح پر فتوح کو اس کا ثواب نذر کرتی رہی کچھ دنوں اناساگر تالاب کی عمارت
میں قیام رہا اس عرصہ میں ادب و تعظیم کے لحاظ سے کبھی چارپائی پر نہ سوئی
اور روضۂ منورہ کی طرف پشت کی نہ کبھی پاؤں کئے جیسے ہی
اس سرزمین پاک پر قدم رکھا تو حضور والا کی برکت فیوض سے دل میں
ایک عجیب ذوق پیدا ہوا جمعرات کے دن ۲۴ رمضان المبارک کو
حضرت پیر دستگیر ؒ کے مرقد منورہ کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور
مرقد اقدس پر پہنچی۔ سات مرتبہ مزار مبارک کی خاک پاک کو سرمہ چشم
بنایا۔ اسوقت دل میں جو ذوق و شوق کی حالت اور کیفیت وہ بیان
نہیں کر سکتی ہوں نہ تحریر میں آ سکتی ہے نہ کچھ یہ سمجھ میں آتا تھا کہ کیا
کروں اور کیا کہوں کچھ دیر تک یہی حالت رہی اسکے بعد مجبور ہو کر مزار مبارک
پر خوشبو اپنے ہاتھ سے ملی اور پھولوں کی چادر جسے اپنے سر پر رکھ کر لائی
تھی قبر نورانی پر چڑھائی پھر والد ماجد کی سنگ مرمر کی تعمیر کرائی ہوئی
مسجد میں نماز عصر ادا کی پھر گنبد میں داخل ہو کر سورۂ یٰسین سورۂ
فاتحہ کی تلاوت کی اور مغرب کے وقت تک وہیں مقیم رہی جھالرہ کے
پانی سے روزہ افطار کیا۔ اس مقام متبرکہ اور مخزن فیوضات سے
ہٹنے کو کسی طرح جی نہیں چاہتا تھا تمام عمر رہتی اور سعادت طواف
مزار منورہ سے مشرف ہوتی رہتی مگر ایسا نہ کر سکی اور بادل بریاں اور
چشم گریاں ہرگاہ سے رخصت ہوئی اور قیام گاہ پر واپس آئی تمام

رات بیقراری میں کٹ گئی صبح کو جمعہ کا دن تھا بعد والد بزرگوار کیساتھ آگرہ کی طرف کوچ کیا۔

مزار مبارک نقرئی محجر اور خوشنما بیگمی دالان جہاں آرا بیگم کی تعمیر کرائی ہوئی ہے جو جہاں آرا بیگم کے حسن عقیدت کی یادگار ہیں اور درگاہ شریف کے جملہ خدام کو بھی کافی نذرانے عطا ہوئے۔

شہزادی حورالنسا بیگم:۔ عہد جہانگیری میں حاضر آستانہ ہوئی جہانگیر کو یہ پوتی بہت عزیز تھی اسکی محبت کی وجہ سے وہ اس کے یوم وفات یعنی چہارشنبہ کو کم شنبہ کہا کرتا تھا۔

شہزادہ بہادر شاہ مظفر شاہ گجراتی:۔ اس عقیدتمند بادشاہ نے ۱۵۳۱ء میں اجمیر آکر دربار خواجہ غریب نواز میں حاضری دینے کا شرف حاصل کیا۔

شہباز خاں:۔ عہد اکبری میں آپ اودے پور کی مہم سر کر کے اجمیر آئے اور ۱۰۰۸ھ بمقام اجمیر انتقال کیا چونکہ آپ کو غریب نواز کے عقیدتمند تھے اس لئے ناچار باہر دفن کیا گیا۔ رات کو حضرت خواجہ غریب نواز منتظمین کو عالم رویا میں تاکید فرمائی کہ شہباز خاں ہمارا دوست ہے اس کو شمالی رو بہ گنبد کے اندر جگہ دو صبح کو جنازہ ان کی قبر سے نکال کر اس جگہ دفن کی گئی جہاں کے لئے ارشاد کیا تھا۔

امیر حبیب اللہ خاں شاہ افغانستان:۔ ۱۹۰۷ء میں دربار

خواجہؒ میں حاضری آپ درگاہ میں معہ چیف کمشنر و دیگر حکامان سلطنت برطانیہ حاضر ہوئے۔ متولی درگاہ شریف و دیوان صاحب نے آپ کا استقبال کیا آپ کسی سے متوجہ نہیں ہوئے بلکہ پہلے سیدھے قبہ شریف میں حاضر ہوئے۔ قبہ شریف کے دروازے بند کر دیئے گئے اور سب کو اندر آنے سے روک دیا گیا۔ آپ تنہا تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک حاضر رہے بعد ازاں باہر آکر متولی صاحب دیوان صاحب وغیرہ سے مصافحہ کیا۔

شہر یار دکن:۔ اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں نظام حیدرآباد دکن کو بھی آپ سے دلی عقیدت و محبت تھی۔ حضور نظام نے ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۳ء میں دو مرتبہ مزار اقدس پر حاضری دی اور غربا و مساکین کو کھانا کھلایا اور دولت کا مینہ برسایا اور حاجتمندوں کی جھولیاں بھریں۔ وظیفے مقرر کئے۔ عالیشان صدر دروازہ بنوایا۔ نقار خانہ عثمانی دار العلوم عثمانیہ اور شفا خانہ اپنے خرچ پر مستقل طور پر قائم کئے۔ لنگر خانہ اور روشنی کے خرچ میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ جامع مسجد کی مرمت کرائی۔ حوض بنوایا گیا۔ گنبد شریف کے اندرونی حصہ کی مرمت کرائی۔ سنگ مرمر کی اگر دانی دو مرمریں چراغاں تعمیر کرائے مزار شریف کی چھپر کھٹ کیلئے ہزاروں روپے کے پردے نذر کئے اور بھی رفاہ عام کے کاموں میں حصہ لیا۔

نواب حامد علی خاں صاحب والیٔ رامپور:۔ آپ نے اپنی سسرال جاورہ جاتے ہوئے

اجمیر شریف اسٹیشن پر اپنی اسپیشل ٹھہرا کر رات کے وقت دربار خواجہ میں حاضری دی جس وقت آپ درگاہ شریف میں پہونچے قبہ شریف کا دروازہ معمور ہوگیا تھا۔ آپ بیگمی دالان میں دروازہ کے سامنے بہت دیر سر جھکائے روتے رہے۔ اسوقت بیگمی دالا۔ اسوقت بیگمی دالان میں آنے سے سب کو رک دیا گیا تھا۔ آپ یہاں تقریباً ایک گھنٹہ حاضر رہے۔

اس موقع پر نواب خواجہ محمد جالنصاحب جاگیردار ریاست دھولپور بھی ساتھ تھے۔ نواب صاحب رامپور ان سے بار بار کہتے تھے کہ اگر یہاں نہ آتا تو بڑا بدقسمت تھا۔ یہ تو بڑا پر کیف نورانی مقام ہے۔

تیسرا باب

ہندو راجاؤں کی عقیدت مندی

راجپوتانہ کے تمام ہندو راجگان اور مرہٹہ سرداران مسلمانوں سے زیادہ اس درگاہِ عالی کی عزت و وقعت کرتے تھے۔ اور ابتک نہایت ادب و تعظیم سے پیش کرتے ہیں۔

مہاراجہ سر کشن پرشاد:۔ سرکشن پرشاد صدر اعظم مملکت آصفیہ اپنے خاندان سمیت حاضر دربار خواجہ ہوئے اور مورچھل کی خدمت بجالائے۔ انہوں نے بڑی عقیدت

سے عقیدت اپنی حاضری دربار کے تاثرات بیان کئے ہیں۔ خواجہ کی مختصر سوانح عمری لکھی اور مورچل برداری پر کچھ قطعے لکھے ہیں۔

جھکتے ہیں شاہوں کے سر خواجہ کی وہ سرکار ہے
ہیں ملک دربان وہ شاہ چشت کا دربار ہے
شاد کیا پرواہ ہے بادل ہما کی تجھکو اب
خواجۂ اجمیر سا تو مورچل بردار ہے

مورچھل جھلنے کی خدمت مل گئی
شاہ کو دنیا میں عزت مل گئی
بارگاہِ خواجۂ اجمیر سے
تو سمجھ گنج قسمت مل گئی

ہند کے سلطان تم ہو مصطفےٰ کا واسطہ
پنجتن کا واسطہ آل عبا کا واسطہ
شاد اس در کا ہے سائل دیجئے دل کی مراد
یا معین الدین اجمیری خدا کا واسطہ

مہاراجہ گوبند سنگھ والیٔ دتیا

بحالت معزولی آپ بریلی وافریقہ کا سفر کر کے اجمیر شریف پہونچے اس زمانہ میں آپ بہت رنجیدہ رہتے تھے بالآخر جمعرات کے دن آپ مولوی سید معصوم علی صاحب و نواب اکرام علی خاں صاحب حاضر دربار ہوئے۔ عطر سے بسی ہوئی پھولوں کی چادر شریف اپنے سر پر رکھ کر روضۂ اقدس پر پیش کی اور اپنی بحالی کی دعا مانگی آخر کار مراد کو پہنچے۔

گورو نانک جی کے تاثرات

آپ کی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے غیر مسلم عقیدتمندوں کے تاثرات کا مختصر نمونہ درج ذیل کیا جاتا ہے (از باباگورو نانک جنم ساکھی کلاں بجائی مالاں والی صفحہ ۷۸)

تشریح:۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے سرزمین ہند میں ورود مسعود فرماتے ہوتے اس امر کا کافی غور و تامل فرمایا کہ کہاں قیام کرنا ہے بالآخر یہی طے پایا کہ اجمیر کو مرکز رشد و ہدایت قرار دیا جائے چنانچہ آپ نے اجمیر اور حضرت بدیع الدین شاہ مدارؒ نے مکن پور کو اپنا مستقر بنایا یہ حضرات ہندوستان میں رہ کر توکل و رضا پر قائم رہے۔ انہوں نے تبلیغ و اشاعت اسلام میں جبر و تشدد سے ذرا بھی کام نہیں لیا۔ البتہ انہوں نے ہر قسم کے فسق سے کام لیا آپ کی ذات گرامی صلح جوئی کا قابل قدر نمونہ تھی۔ آپ خلق اللہ سے شفقت کا برتاؤ فرماتے تھے۔

ایک انگریز کے تاثرات:۔ کسی انگریز سیاح کا مقولہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں دو بزرگ ایسے دیکھے جو دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اسی طرح حکومت کرتے ہیں گویا وہ بذات خود زندہ اور برسر حکومت ہیں۔ اور ان کے مزارات پر وہی شان و شوکت اور عظمت و جلال ہے جو ایک بہت بڑے شہنشاہ کے دربار میں ہوا کرتی ہے۔ ان میں سے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں جو آسودہ ہیں دوسرے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر جو اورنگ آباد دکن میں مدفون ہیں اس مقولہ سے آپ کی عظمت و جلال کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

تاریخ اجمیر

عرف

رہنمائے اجمیر

جغرافیہ اجمیر :- اجمیر وسط راجپوتانہ میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں راجپوتانہ مشرق میں کشن گڈھ جنوب میں کوہ اراولی اور بوندی راج اور مغرب میں دریائے سولی ہے۔

اجمیر شہر :- چند بلند پہاڑیوں کے درمیان ہے مغربی پہلو سے تاراگڈھ کا سلسلہ گھیرے ہوئے ہے۔ اور مشرق اور شمال حصہ کو فاصلہ سے مدار اور ناگ پہاڑ کا سلسلہ گھیرے ہوئے ہے۔

اجمیر آگرہ سے ۲۲۸ دہلی سے ۲۳۵ لاہور سے تقریباً ۵۷۰ اور بمبی سے ۶۷۷ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اجمیر کی آبادی بہ لحاظ مردم شماری کئی لاکھ ہے۔ اجمیر کی آب و ہوا بالعموم نہایت عمدہ اور صحت بخش ہے موسم گرما اور سرما دونوں معتدل بارش کا موسم نہایت لطیف اور کیف افزا ہوتا ہے۔ پہاڑیوں پر بادلوں کا دلکش نظارہ عجیب سماں پیش کرتا ہے۔ بارش اوسط درجہ کی ہوتی ہے۔

اسٹیشن اجمیر :- نہایت اچھا بنا ہوا ہے اسٹیشن کے سامنے گھنٹہ گھر ہے۔

جو بلٹی اور کہلاتا ہے ۱۸۸۸ء میں بنا ہے۔ اس کے ارد گرد باغیچہ ہے۔ اسٹیشن کے سامنے ہی ایک عالیشان مسجد بنی ہوئی ہے۔ جو زائرین کیلئے بہت آرام دہ ہے۔ یہ مسجد گھنٹہ گھر کی کہلاتی ہے۔ اس بازار سے گزر کر زائرین کو مدار گیٹ کی طرف جانا پڑتا ہے۔ مدار گیٹ سے گزر کر نلا بازار میں داخلہ ہوتا ہے یہ بازار بہت لمبا ہے۔ اور درگاہ تک چلا گیا ہے جب درگاہ قریب رہ جاتی ہے تو پھول والوں اور الائچی دانوں کی دوکانیں ہیں

درگاہ خواجہ غریب نواز

درگاہ شریف مغربی گوشہ میں واقع ہے۔ مزار پُر انوار وسط درگاہ میں ہے درگاہ ۱۲ دروازے اور دو کھڑکیاں ہیں درگاہ شریف میں داخل ہونے کیلئے صدر دروازہ نقار خانہ عثمانی پڑتا ہے۔

نقار خانہ عثمانی :۔ یہ نقار خانہ ۱۳۱۳ھ میں بہ تشریف آوری میر محبوب علی خاں بہادر والیٔ ملک دکن تیار ہوا تھا اور پنجوقتہ نوبت بجتی ہے

نقار خانہ شاہی :۔ ۱۰۴۷ھ میں شاہجہاں نے سنگ سرخ سے دروازہ درگاہ کے داخلہ کا تعمیر کرایا۔ اس کے اوپر اکبری نقار خانہ رکھے ہوئے ہیں

مسجد اکبری :۔ اکبر اعظم نے ۹۷۸ھ میں سنگ سرخ کی تعمیر کرائی ہے۔ مسجد کے بیچ کی محراب اور دو رویہ محرابیں اور جنوبی شمالی محرابوں پر سنگ مرمر اور لاجوردی اور لاکھی پتھر کی پچیکاری نہایت عمدہ بنائی ہے مسجد کا طول عرض بمعہ صحن چالیس فٹ ہے صحن میں حوض

ہے یہ مسجد زمین سے ۱۵ فٹ بلند ہے اس کے نیچے تہ خانہ بنا ہے۔

نقار خانہ شاہی کے بعد ایک صحن ہے جس کے مغربی اور جنوبی گوشہ میں دوسرا رفیع الشان دروازہ بلند زینہ پر اکبری مسجد کا ہے۔ عمارات نقار خانہ کے بعد صحن چراغ میں پہلا عالیشان جنوبی رویہ والا عمدہ سنگِ سفید کا ہے جو سلطان محمود خلجی کی یادگار ہے۔

بلند دروازہ:۔ یہ بلند دروازہ ۸۷۵ھ سلطان محمود خلجی حاکم مالوہ نے سنگِ سرخ سے تعمیر کرایا۔ اسکی بلندی ۸۵ فٹ ہے۔ اس میں کئی مینارے اور چھتریاں اور اس پر چڑھنے کیلئے دو طرفہ زینے بنے ہوئے ہیں۔

چھوٹی دیگ:۔ یہ بلند دروازہ کے جانب مشرق یہ دیگ ہے۔ یہ جہانگیر بادشاہ نے تعمیر کرائی ہے۔ اسمیں ۸۰ من کھانا پکتا ہے۔ تاریخ تیاری یہ ہے

"بہ دنیا باد دائم نعمت دیگ جہانگیری"

بڑی دیگ:۔ یہ بلند دروازہ کے مغربی جانب ہے ۹۷۶ھ میں یہ دیگ اکبر اعظم نے قلعہ چتوڑ گڑھ کی تسخیر کے بعد درگاہ پر چڑھائی اس میں ۱۰۰ من کھانا پکتا ہے تاریخ یہ ہے:۔

شاہِ دیں پرور جمشید سریر — خسروِ عہد محمد اکبر
ساخت بہر شکر فتح چتوڑ — دیگ در وسعتِ ازدہ پیکر
بہر تاریخ دے از عالم غیب — دیگ چتوڑ کشا شد یکسر

سماع خانہ:۔ یہ نہایت عالیشان بنا ہوا ہے۔ عرس شریف کے زمانہ میں یہاں قوالی ہوا کرتی ہے۔ شرقی پہلو میں ایک مختصر سادالان بنا ہوا ہے جس کے

رو برو موم بنا ہوا ہے۔ اس کے پہلو میں ایک دروازہ ہے۔ جو سبیلی دروازہ کہلاتا ہے مشرق حصّہ میں شاہ نصیرالدین کا مزار ہے

صحن چراغ :۔ دیگوں کے صحن میں ہشت پہلو چھتری گنبد کی طرح بنی ہوئی ہے۔ جو صحن چراغ کہلاتا ہے۔ اس کے اندر اٹھ دھات فتیل سوز ہے۔ جو روشن ہوتے ہیں۔

لنگر خانہ :۔ ایک بڑا دالان شمال سمت بنا ہوا ہے۔ صحن میں ایک چھتری ہے دالان کے در میں آہنی کڑھاؤ رکھے ہیں جن میں روزانہ کا لنگر غربا کے تقسیم ہونے کے واسطے تیار کیا جاتا ہے۔

اولیا مسجد :۔ یہ مسجد سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اسکے دونوں جانب حجرے ہیں۔ اسے اولیا مسجد اس لئے کہتے ہیں کہ خواجہ غریب نوازؒ اسی مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ یہ بہت نفیس بنی ہوئی ہے۔

احاطہ چنبیلی :۔ کھڑکی اور دروازے جانب مشرق اور دو جانب مغرب ایک جنوب اور دو شمال میں ہیں۔ صدر دروازہ شمال کی طرح جو سبیل صحن چراغ سے مشرق کی جانب بالکل مغربی جانب ایک مختصر دالان جالیدار جس میں یاسمن کے درخت ہیں یہ احاطہ چنبیلی کہلاتا ہے۔ درخت کے سایہ میں مزارات ہیں۔

روضۂ پُر انوار :۔ خواجہ غریب نوازؒ کا مزار اقدس ایک عرصہ تک خام رہا خواجہ حسین نبیرہ شیخ حمیدالدین ناگوریؒ مزار پر رہا کرتے تھے ان کی خدمت میں سلطان غیاث الدین نے تحفہ تحائف پیش کئے۔ اسی سے

گنبد کی نقاشی سلطان محمود بن ناصرالدین کے زمانہ میں ہوئی گنبد کی غربی دیوار کی جالی پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

از پئے تاریخ نقش گنبد خواجہ معین گفت ہاتف گو معظم قبہ عرش برین

روضہ کا دروازہ بادشاہ مانڈو نے بنوایا۔ یہ گنبد قبر خام پر بنا ہوا ہے۔ سفید گنبد پر سونے کا بہت بڑا کلس اور کونوں پر سنہری کلسیاں نہایت شاندار ہیں روضہ کے اندرونی حصہ پہ سنہری اور لاجوردی کام کیا ہوا ہے۔ اور چھت میں کامی مخمل کی زریں چھت گیری لگی ہوئی ہے چھت گیری کے نیچے ستون کے قمقمے طلائی زنجیروں میں آویزاں ہیں۔ ایسے ہی چاروں گوشوں میں قمقمے لگے ہوئے ہیں اسکے علاوہ نقرئی قمقمے چاروں طرف کثرت سے آویزاں ہیں اور دیوار کے اندر سنہری چوکھٹوں میں آئینہ نصب ہیں اور اندرونی روضہ پہ اشعار آب زر سے لکھے ہوئے ہیں۔

خواجۂ خواجگاں معین الدین اشرف اولیا روئے زمیں
در جمال و کمال آں چہ سخن ایں مبیں بود بحصنیں حصیں
مطلع در صفات او گفتم در عبادت بود چو در ثمیں
لے درت قبلہ گاہِ اہل یقیں بر درت مہر و ماہ سودہ جبیں
خادماں درت ہمہ رضواں در صفات روضات چہ خلد بریں
ذرہ خاک او عنبر سرشت قطرۂ آب جو ماء معیں
چالشیں معین خواجہ حسین بہر نقاشیش بگفت حسیں

که شود رنگ تازه کهنه زبر   قبهٔ خواجہ معین الدینؒ

مزار پر سیپ کا کام چھپر کھٹ صندلی بنا ہوا ہے چھپر کھٹ کی چھت پر کبھی سبز مخملی رومی کی چھت گیری اور کبھی زرد کی جس پر معرق کا کام زریں کیا ہوا ہے لگی رہتی ہے۔ اس کے کناروں پر چاروں طرف سونے کے قمقمے جگمگاتے ہیں۔ چھپر کھٹ کے اندر سنگِ مرمر کا مزار ہے اس پر طلائی وابری وفیروزہ ونشیب وعجوبہ دلھسینہ وغیرہ کی پچیکاری ہے جس میں بیل بوٹے پھول پتے نسبت کے بنے ہوئے ہیں۔ مزار کا تعویز جو سنگِ مرمر کا ہے۔ اس میں یاقوت رمانی چڑھا ہوا ہے مزار ہمیشہ زربفت کمخواب پر زر تمامی اور مشجر کے قبر پوشوں سے ڈھکا رہتا ہے۔ جہانگیری کٹہرہ تھا۔ بعدہٗ نقرئی دوسرا کٹہرا جہاں آرا بیگم کا چڑھایا ہوا ہے۔ گنبد کے اندر سنگِ مرمر کا فرش ہے مربع پتھروں میں سنگِ موسیٰ کی پٹریاں جڑی ہوئی ہیں۔ اس کے مشرقی دروازے سے ملحق یمین ولیسار کے دو حجرے بنے ہوئے ہیں جس میں اکبر بادشاہ کی لائی ہوئی چتوڑ گڈھ کے قلعہ کی جوڑی جڑی ہوئی ہے روضہ کی سنگِ مرمر کی جالیوں پر زریں پردے ڈالے جاتے ہیں لیکن موسم گرما میں خس کے پردے ڈالے جاتے ہیں۔ درگاہ کے اخراجات کے لئے کافی جاگریں ہیں۔

مجرۂ بی بی حافظ جمالؒ:- بی بی حافظ جمال کا مزار روضہ کے جنوب میں واقع ہے یہ سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے پچیکاری ودیگر قسم کے پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ مزار کے قریب

ہی آپ کے دو صاحبزادوں کی قبریں ہیں۔

مجرہ حور النسا بیگم:۔ یہ مجرہ جہانگیر کی عزیز پوتی حور النسا کا ہے روضہ کے غربی سمت بنا ہوا ہے جو شہنشاہ شاہجہاں نے تعمیر کرایا تھا۔

جامع مسجد شاہجہانی:۔ صاحبقران شاہجہاں ملک اودے پور فتح کرنے کے بعد اجمیر آیا مزار خواجہ غریب نواز پر حاضر ہوا اور روضۂ مبارک کے غربی سمت دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ کے صرفہ سے یہ عظیم الشان مسجد بنوائی ۱۴ برس میں تعمیر ہوئی لمبائی ۹۷ گز عرض اور صحن ۹۹ گز ہے۔ صحن میں پانچ دروازے جانب مشرق ہیں مسجد کی تاریخ تعمیر یہ ہے۔

"قبلۂ اہلِ زماں شد مسجد شاہجہاں"

بیچ کی محراب میں کلمۂ طیبہ طلائی حروف میں لکھا ہے۔ اور باہر کی محرابوں پر ننانوے نام باری تعالیٰ کے کندہ ہیں۔ یہ مسجد عالیشان سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے

مسجد سلطان محمود خلجی یا صندل خانہ:۔ ۸۵۹ھ میں سلطان محمود خلجی نے گجادھر جو رانا کمبھا کی طرف سے اجمیر کا قلعہ دار تھا اس کو ہٹا کر قابض ہوا۔ اور مسجد کی تعمیر کی مسجد کا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ اب یہاں صندل گھسا جاتا ہے۔

چھالرہ:- شہنشاہ شاہجہاں کے زمانہ کی ایک گہری جھیل ہے جو مسجد کے خوض کی جگہ کام دیتی ہے۔ یہ شاہجہاں کی مسجد کے پہلو میں واقع ہے۔ اکبر بادشاہ کے وقت میں یہ نالہ تھا اس کا نام گڈھ ہیکلی تھا اب یہ چھالرہ کہلاتا ہے اس سے خلق خدا کو کافی آرام ہے۔

چلّہ باباصاحبؒ:- یہ چلہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا ہے جو مسجد سلطان محمود خلجی کے عقب میں تہ خانہ کے اندر ہے اور ۵ محرم کو کھلتا ہے۔

مزار سیّد نظام:- یہ مزار سید نظام کا ہے جو اولیار مسجد کے قریب بنا ہوا ہے مزار پر عمدہ پچیکاری بنی ہوئی ہے

چلّہ ناتواں شاہ:- ناتواں شاہ نے اس جگہ بہت عرصہ حبس دم کیا ہے یہ چلہ درگاہ شریف کے گوشہ جنوب ومشرق میں ہے۔

چار یار:- یہ مسجد شاہجہانی سے مغرب کی جانب واقع ہے اس جگہ مولانا شمس الدین کا مزار ہے اور یہیں بکثرت صلحا و فقرار جو حضرت خواجہؒ کے ہمراہ آئے تھے مدفون ہیں۔

بیگمی دالان:- شہزادی جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں نے ۱۰۵۳ھ میں روضہ دالان تعمیر کرایا تھا طرح طرح کے پتھروں سے عمدہ پچیکاری کی گئی ہے۔

روضۂ پُر انوار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر شریف

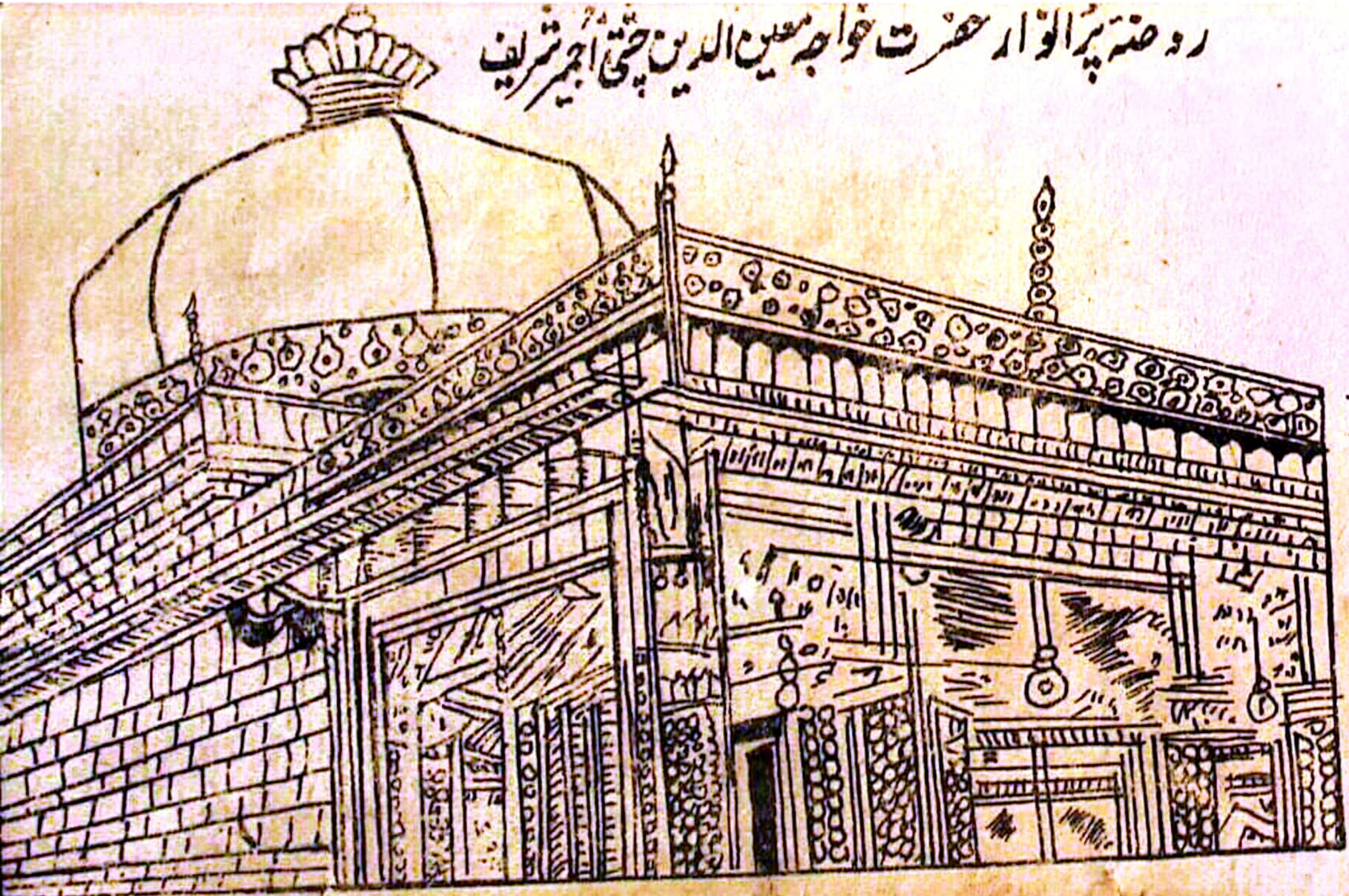

یہ دالان روضہ کے قریب جانب جنوب

والا جاہی دالان :۔ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اس کے دونوں طرف سنگ مرمر کے دو احاطے ہیں اس دالان کو ۱۲۰۰ھ میں دریا خاں جعفر خاں اور علی محمد خاں کے اہتمام سے نواب امیر الہند محمد علی گویا موی المخاطب والا جاہ والئ کرناٹک (مدراس) نے سنہ ۱۲۰۰ھ تعمیر کرایا

ڈھائی دن کی مسجد

سلطان شہاب الدین محمد غوری ۵۸۹ھ میں اجمیر آیا اور اس عمارت کی عربی دیوار کے وسط میں سنگ مرمر کی محراب بنوا کر اس میں تاریخ بنا یہ کندہ کرائی۔

بنانی الهادی والعرشی جمادی الآخر خمسه و تسعین وخمسائة اور عربی دیوار میں یہ عبارت کندہ ہے۔

بنانی تولیه ابو بکر بن احمد حمان بفضله بتاریخ و تاریخ سنتی وستیین خمسائة۔

عہد التمش میں یہ کندہ کی ہوئی عبارت بالکل بدل گئی سنہ ۱۴۰۰ھ میں سنگ سرخ کی مسجد تیار ہوئی۔ دو طرفہ تین تین برجیاں بیچ میں بڑا گنبد بنایا گیا اور بیچ کی محراب کے دو بازوں پر دو مینار سنگ سرخ کے بنوائے۔ دو دروازے صحن کے آگے آمد و رفت کے لئے بنے

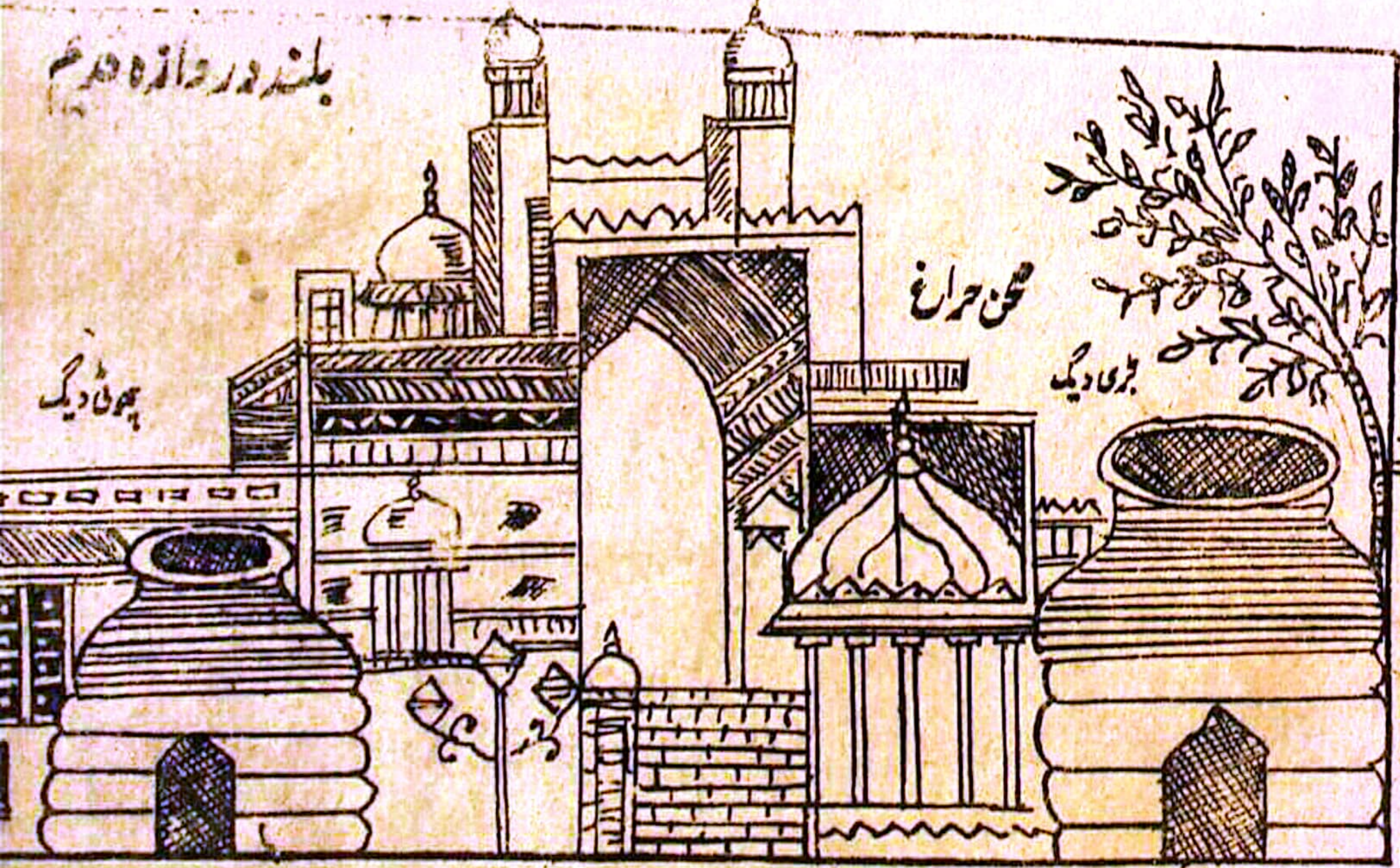
بلند دروازہ حرم
صحن چراغ
بڑی دیگ
چھوٹی دیگ

دفن ہے قریب ہی ایک سید صاحب کا مزار ہے دالان کا صحن دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے یہ جگہ پہاڑ پر واقع ہے۔ اس کا راستہ درگاہ شریف سے جاتا ہے۔

تاراگڈھ

جائے وقوع:- اجمیر کا مشہور و معروف قلعہ تاراگڈھ جو ہندوستان گیتوں میں گڈھ بیٹلی کے نام سے مشہور ہے۔ اور تاریخی نقطۂ نظر سے خاص اہمیت رکھتا ہے بیٹلی نامی پہاڑی درگاہ خواجہ غریب نواز کے گوشہ جنوب مغرب میں واقع ہے یہ پہاڑی سطح زمین سے ۸۰۰ فٹ اور سمندر سے ۲۸۵۵ فٹ ہے۔ پہاڑی کی سطح مرتفع کا رقبہ ۸۰ ایکڑ بتلایا جاتا ہے۔ اس کی اوپر کی سطح ناہموار ہے اور اسکی چہار دیواری میناروں کے کچھ نشانات اور قدیم عمارتوں پر مشتمل ہے۔ اس پہاڑ سے اجمیر شہر بخوبی دکھائی دیتا ہے اور اجمیر کے شہر کے ہر ایک طرف سے یہ پہاڑ نظر آتا ہے۔ شہر اجمیر کے ٹھیک اوپر یہ پہاڑ واقع ہے اور اجمیر سے جانے آنے والی گاڑیوں کے مسافر بھی اس کا نظارہ کر سکتے ہیں۔

آبادی:- تاراگڈھ کی آبادی درگاہ میراں سید حسین رح صاحب خادموں پر مشتمل ہے۔ اور تقریباً اسی خاندان

... جای بند شاهجهانی

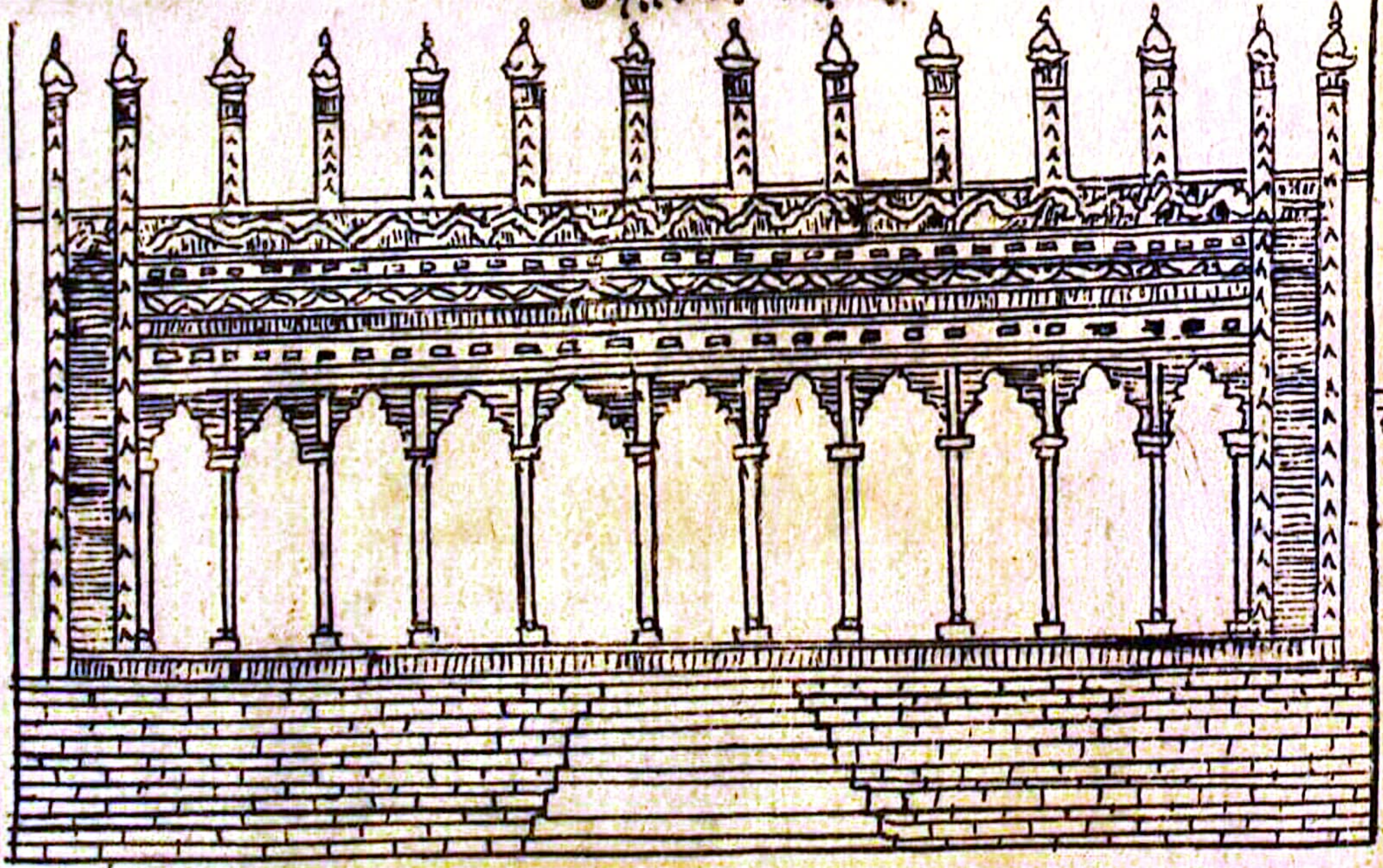

سیلوگ آباد ہیں۔ یہ سب اہلتہ الشیعہ ہیں۔

ڈاک بنگلے:- مسافروں کے قیام کے لئے ایک سرکاری ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے۔ اور ریلوے کمپنی کی طرف سے ایک ریسٹ ہاؤس ریلوے افسران اعلیٰ کے قیام کے لئے بنا ہوا ہے ایک مشن والوں کے استعمال کے لئے بنگلہ بنا ہوا ہے۔

انگریزی عمارت:- صرف مذکورہ بالا بنگلہ اور ایک بارک ملٹری کی ضرورتیات کو مدنظر رکھتے ہوئے مسٹر ریٹس نے تعمیر کرائی تھی۔ اب بھی موجود ہیں لیکن اب خالی پڑی ہے۔

سوانح حضرت میراں سید حسین صاحب:- تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت میراں سید حسینؒ کے چچا سید وجیہہ الدین مشہدی اجمیر کے گورنر تھے قطب الدین ایبک نے جب دوبارہ اجمیر فتح کیا تو یہاں کا گورنر سید وجیہہ الدین مشہدی کو مقرر کیا سید وجیہہ الدین حضرت امام زین العابدینؓ کی اولاد میں سے تھے اور میراں سید حسینؒ خنگ سوار ان کے بھتیجے تھے۔ سید وجیہہ الدین کی وفات پر سید حسین خنگ سواران کی جگہ قلعدار مقرر کئے گئے ۵۹۸ھ مطابق ۵۹۸ھ میں راجپوتوں نے ایک خفیہ سازش کی اور تارا گڈھ پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ غرض کہ ایک زبردست جنگ ہوئی اور

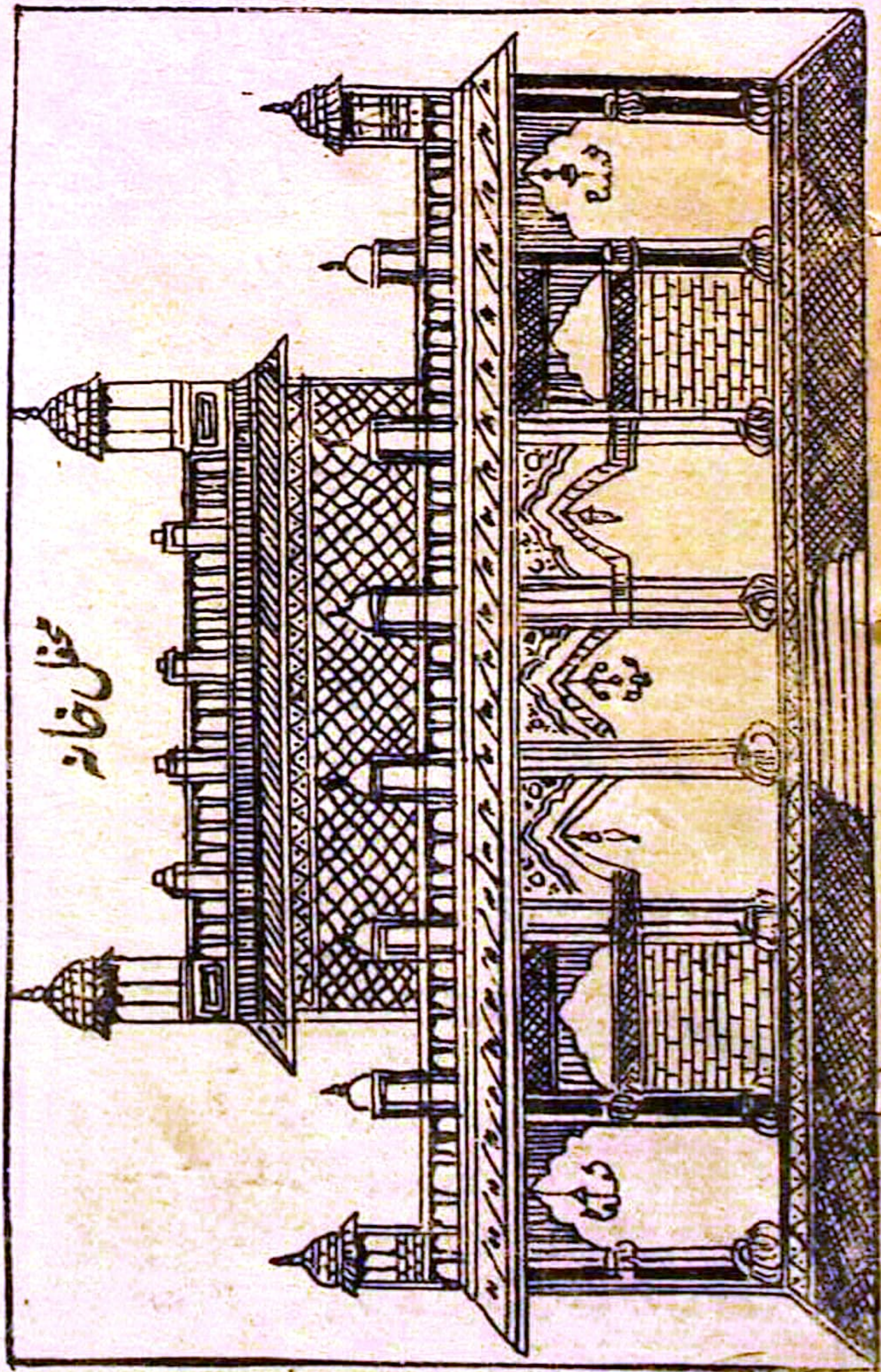
محفل خانہ

۱۸ رجب کو شب کو میراں صاحب اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔

بلند دروازے کے قریب ایک چھوٹے دروازے سے گزر کر صحن کے اندر جاتا ہوتا ہے۔ سید حسین صاحب کا مزار اسی صحن کے اندر ہے۔ مزار شریف کے دروازے کے اوپر جہاں ہمیشہ سبز غلاف پڑا رہتا ہے۔ یہ میراں صاحب کے گھوڑے کا مزار ہے۔ مزار کے جنوب مغرب کی طرف سہ دریاں بنی ہوئی ہیں اور جانب جنوب کے دالان کا کچھ حصہ سنگ مرمر کا ہے جو بالا راؤ انگلیا نے بنوایا تھا۔ مغربی دالان کو مانجی راؤ سیندھیا نے بنوایا تھا۔ مزار کھلے ہوئے مربع صحن کے وسط میں واقع ہے اور سنگ مرمر کے کٹہرے سے گھرا ہوا ہے جو تقریباً ۸ فٹ اونچا ہے مزار پر کٹہرے کا شامیانہ ہے جس میں دو یا تین آئینے بھی نصب ہیں۔

دو آہنی دیگیں جس میں ایک جہانگیر کا عطیہ دوسری ملاؒ مدادی کی بنائی ہوئی ہے۔ درگاہ کے شمالی دروازہ کے سامنے کھلے ہوئے میدان میں رکھی ہیں۔

درگاہ میراں صاحب کی آمدنی :- درگاہ کے خرچ کے واسطے کچھ مواضعات بطور جاگیر وقف ہیں، جن کی آمدنی سے خرچ پورے ہوتے ہیں۔

گنج شہیداں :- یہاں ان شہیدوں کے مزارات ہیں جو شب خون میں حضرت سید حسین خنگ سوار رح کی معیت میں شہید

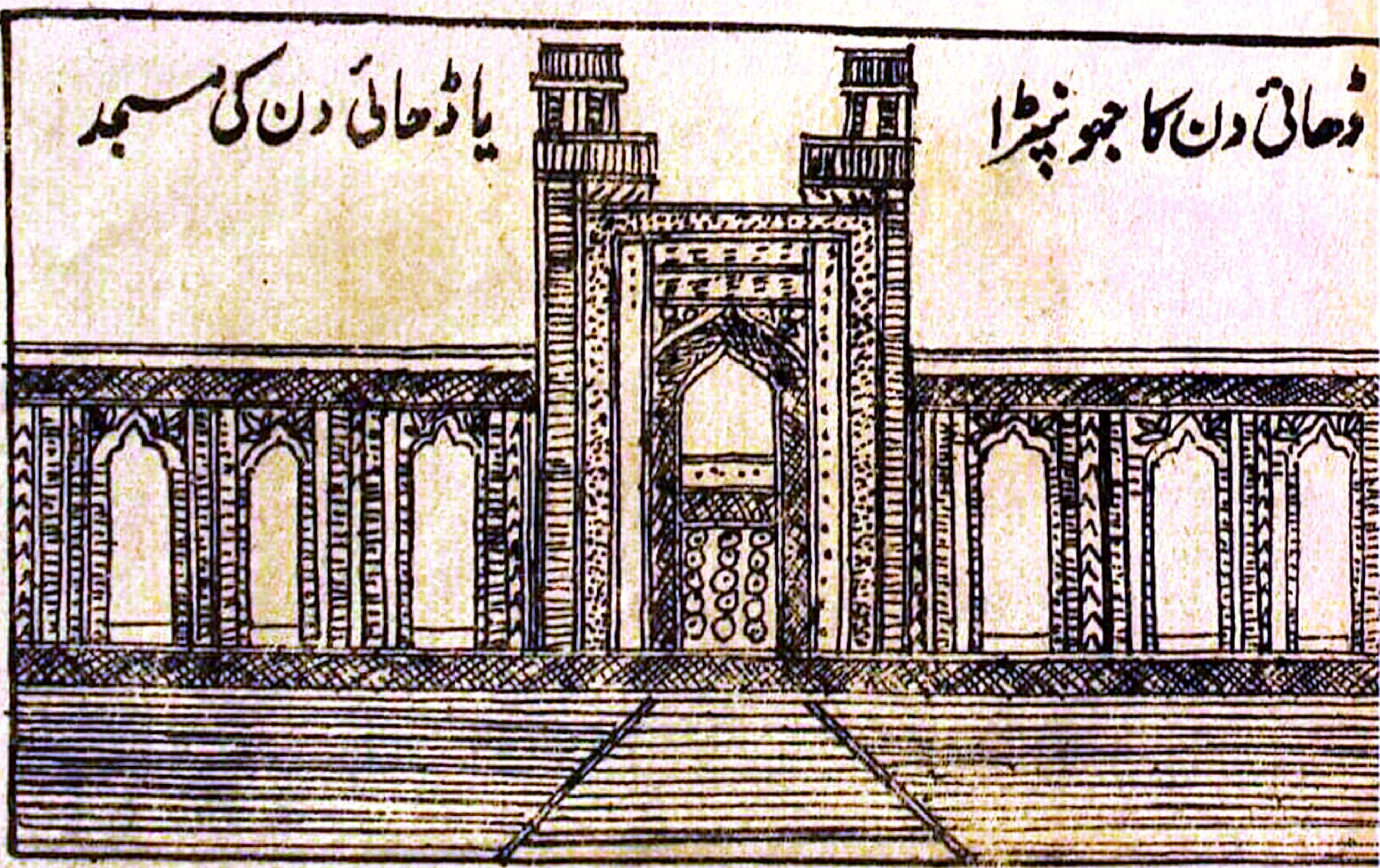

ڈھائی دن کا جھونپڑا یا ڈھائی دن کی مسجد

ہوئے۔ یہ جگہ گنج شہیداں کہلاتی ہے جو درگاہ کے باہری حصہ میں واقع ہے۔

نور چشمہ جہانگیر:۔ ۱۰۲۴ھ میں نور الدین جہانگیر اجمیر آیا اور ایک عالیشان محل اس نور چشمہ محل کے قریب بنوایا۔ یہ چشمہ قلعہ تاراگڑھ کی جانب مشرق واقع ہے۔ محل کی تاریخ تعمیر یہ ہے۔

"محل شاہ نور الدین جہانگیر"

مزار میر تاغان امیر تمغان شہید:۔ مزارات کے گرد پختہ چہار دیواری ہے۔ دالان اور چبوترہ بنا ہوا ہے جنگلی درخت کثرت سے مزاروں پر پھیلے ہوئے ہیں یہ مزارات چشمہ نور کے غربی سطح پہاڑ پر واقع ہے

تاراگڑھ کے ذرائع آمد و رفت عورتیں ضعیف ڈولی پر جاتے ہیں اور عوام پیدل پہنچتے ہیں

چلہ حضرت بی بی حافظ جمال:۔ یہ چلہ نور چشمہ کے قریب پہاڑ اندر واقع ہے جو تاراگڑھ سے مشرقی جانب ہے۔

تالاب اناساگر:۔ اس کے مشرقی اور جنوبی کنارے پر نہایت اچھے باغات اور گھاٹ بنے ہوئے ہیں بارش کے زمانہ میں اس کا دور چھ میل سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے طول چھ سو گز اور عرض ۱۰۰۰ گز ہے۔ یہ تالاب انا رسیلن کا بنا ہوا ہے۔

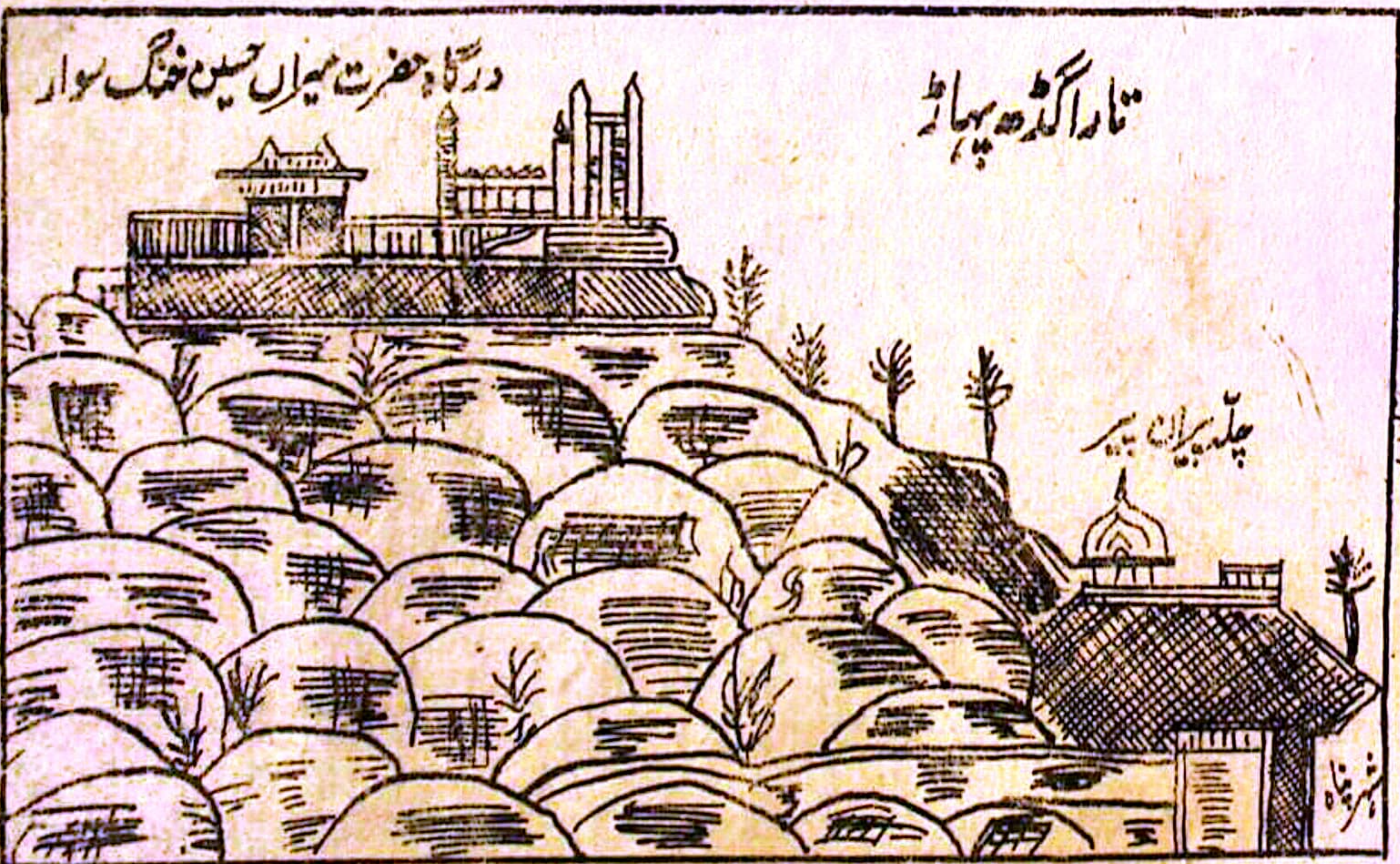
درگاہ حضرت میران حسین خنگ سوار
تاراگڈھ پہاڑ
چلہ پیران پیر
شہر پناہ

چلّہ خواجہ غریب نوازؒ:- یہ چلّہ سدا بہار پہاڑی پر واقع ہے جو پہاڑی کے اندر ایک گنبد اور گنبد کے اندر ایک تخت ہے جس پر حضرت خواجہ غریب نواز عبادت الہی کیا کرتے تھے۔

چلّہ حضرت سالار غازیؒ:- یہ بھی سدا بہار پہاڑی پر واقع گنبد کے اندر ایک مزار ہے۔ جس کے سرہانے سنگِ مرمر کی ایک چوکی ہے۔ اس کا گنبد سرخ پتھر کا ہے

چلّہ شادی دیو:- گنبد کے اندر کنگن کا تراشا ہوا پتھر رکھا ہے اور اسکے مغربی جانب سنگین دالان ہے۔ بیچ میں ایک حوض ہے۔ یہ جگہ سدا بہار پہاڑی پر واقع ہے۔

چلّہ حضرت قطب صاحبؒ:- یہ سدا بہار پہاڑی کے گوشہ شمال میں واقع ہے چلہ کے صحن میں ہے

محل شاہجہانی:- یہ عمارت سنگ مرمر کی ایک عالیشان وضع بنی ہوئی ہے مکانات اور دالان بہترین اور بیچ کی بارہ دری قلعہ دہلی کے دیوان خاص کی وضع ہے ایوان رفیع الشان کے روبرو حمام سنگ مرمر کا نہایت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ یہ محل اناساگر کے مشرقی بازو پر ہے۔ یہیں دولت باغ ہے۔ یہ عمارت شاہجہاں نے قبل جلوس تعمیر کرائی تھی۔ نہایت پر فضا ہے۔ وسط میں حوض اور بنگلے بنے ہیں پہلے یہاں سہیلی بازار لگا کرتا تھا۔

نقشہ تالاب انا ساگر

چلہ حضرت شاہ مدارؒ :- حضرت بدیع الدین عرف شاہ مدارؒ حضرت خواجہ غریب نواز کے زمانہ میں آئے تھے یہ چلہ اجمیر کے مشرقی پہاڑ پر ہے ۱۰۰ فٹ بلند ہے یہاں کا عرس ۱۸ جمادی الاول کو ہوتا ہے

تالاب بیلہ :- اس تالاب کے گرد بتخانے تعمیر تھے۔ یہ راجہ بیلہ کا بنوایا ہوا ہے۔

ڈگی :- شہر اجمیر کی جنوبی فصیل سابقہ کے روبرو یہ ڈگی ۱۲۴۸ھ میں کرنل ڈکسن نے بنوائی۔

تالاب پشکر :- اجمیر شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر جانب مغرب یہ تالاب واقع ہے یہاں پر مندر اور گھاٹ بنے ہوئے ہیں تالاب کے جنوبی کنارے پر اکبر بادشاہ نے محل بنوائے تھے جو اب کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں عالمگیر نے سنگِ سرخ کی ایک مسجد بنوائی ہے جو اب تک موجود ہے۔ تالاب بارہ گز گہرا اور ڈیڑھ کوس مدور ہے یہ تالاب بیضوی شکل کا ہے۔ یہاں مویشی کا سالانہ میلہ لگتا ہے۔

میو کالج :- سری نگر سڑک پر واقع ہے لارڈ میو بہادر کی نسبت سے یہ ۱۸۷۳ء میں بننا شروع ہوا اور ۱۸۰۴ء میں ہوا۔ اس کا پھیلاؤ ۱۶ ایکڑ زمین پر ہے جس میں کالج کے قریب بارہ راجپوتانہ کی کوٹھیاں بنی ہیں۔ اسکے روبرو لارڈ میو کا مجسمہ ہے۔

ختم شد

مستند اور قابلِ مطالعہ کتب خرید فرمائیے

آئینۂ قرآن [illegible]	رسولِ عربی عہ/	غوث الاعظم عہ/	آفتابِ حرم [illegible]
کلیر کا چاند عہ/	کراماتِ غوث ۲۰ پیسہ	کراماتِ خواجہ ۳۰ پیسہ	طریقۂ فاتحہ ۱۵ پیسہ
ہماری کامل نماز عہ/	آمنہ کا لال عہ/	سیدہ کا لال [illegible]	عملیاتِ قرآنی عہ/
قصص الانبیا ے/	تذکرۃ الاولیا ے/	اسلام کیا ہے [illegible]	[illegible] خواب نامہ [illegible] پیسہ
میلادِ اکبر [illegible]	سچا میلاد ۷۵ پیسہ	میلادِ سعیدی ۵۰ پیسہ	میلادِ سعدی ۵۰ پیسہ
نیا باورچی خانہ ۷۵ پیسہ	شکوۂ اقبال ۲۵ پیسہ	غریب نواز [illegible]	حیاتِ خواجہ ۵۰ پیسہ

ملنے کا پتہ } ظفر الدین خاں بکسیلر ڈیوڑھی بیگم آگرہ

([illegible])